بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ

فتنہ مرزائیت

ایک تجزیہ

تصنیف

جناب محمد نور الدین اویسی امینی کشمیری

از خلفائے

جناب الحاج محمد امین صاحب اویسی کشمیریؒ

شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد

سلسلہ اویسیہ پبلی کیشنز ۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ایڈیشن اوّل
تاریخ طباعت اکتوبر ۱۹۹۳ء

شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد (ہزارہ)
پاکستان

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشۡرِکَ بِہٖ شَیۡئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ

اے اہل کتاب۔ آؤ ایسی بات پر اتفاق کریں۔ جو ہمارے تمہارے درمیان (فرمانِ رسول) یکساں ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔

(پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۶۴)

محترم قارئین۔ اس آیت کے بنیادی مفہوم پر صدقِ دل اور دیانت سے غور فرمائیں۔ کہ اس بیان سے تاکید کی گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (قرآن) و حدیث کو سُن کر بغیر کسی تاویل و شہادت کے حقیقت تسلیم کرنے میں۔ اپنی ضد و اَنا کو درمیان میں لا کر حقیقت سے انکار کرنا یقیناً سراسر گمراہی ہوتی ہے —— انسان قرآن و حدیث میں بے جا تاویلات (معانی) سے محض ضد و اَنا پر غلط تصوّرات میں اُلجھ کر حقیقت (یعنی عبادات) کی اصل سے دور ہو کر آخرت میں بے نیل و مرام ہو جاتا ہے۔ ان بے معنی مباحث سے مقصدِ اصلی سے محروم ہو جانا یکسر گھاٹا۔ نقصان کے سوا کوئی نفع بخش سودا حاصل نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات برحق ہے۔ اس کی ذات کے لیے کسی ثبوت و شہادت کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا بحیثیت نبی —— اور رسول ہونے کا تعلق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا بغیر دلیل و ثبوت قبول و تسلیم کرنا۔ مسلمان کیا۔ ہر فردِ انسانی کے لیے ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ عقیدہ صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے۔ اسلام کی روح ہے۔

واضح ہے کہ اس عقیدہ کی سچائی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ جس میں کسی دلیل و ثبوت

کی ضرورت نہیں۔ لہذا قرآن وحدیث کے قول پر ہر مسلمان کا ایمان لانا فرض ہے۔ اس حال میں۔ کہ کسی فروعی تاویل سے۔ تسلیم وانکار کا شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔ یہ امر واقع ہے کہ اہلِ اسلام، علمائے اسلام میں۔ ابتدا سے۔ جو فتنہ پیدا ہوا۔ محض قرآن وحدیث کے اندازِ فہم میں۔ (قرآنِ عربی پر عجمی فہم میں) ہر دو فریق میں غلط تاویلات استعمال کی گئیں جس وجہ سے قرآن وحدیث کو سمجھنے میں غلط تصورات پر بجائے۔ بحث ومباحثہ کے مسئلہ کو اخلاقی طور شائستگی سے سلجھایا جانا۔ علمائے اسلام محض اپنی اَنا پر ضرب سمجھ کر آپس میں دست وگریبان ہو کر راہِ ہدایت حاصل نہ کر سکے۔ جس کا نتیجہ۔ ہر دور میں مسلمان افتراق وانتشار کا شکار ہو کر وحدتِ دینی سے محروم رہا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمان کسی وقت بھی اپنی اسلامی ساخت قائم نہ کر سکا۔

کسی ماورائے علم ـــ علمِ الٰہی ـــ کے تسلیم کرنے کی چند شرائط مقرر ہیں۔

اوّل۔ یہ کہ قرآنی بیان کے مطابق۔ رسول کی شہادت پر اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ حدِّ علم ـــ فہم ـــ وادراک سے ماورٰی۔ علم کے لیے رسول کی شہادت وقول پر تسلیم کرنا شرط ہے۔

(۲) ایک منتخب "نبی" کا علم وعمل من جانب اللہ مصدقہ ہو۔ اس حال میں کہ۔ اپنی ذات سے اختراعی۔ اجتہادی۔ خود ساختہ (بلا دلیل) علم نہ ہو۔

(۳) کسی حد تک ایک "نبی" کے علم وعمل کو اللہ کی تائید وتصدیق حاصل ہو۔

(۴) ایک "نبی" کے قول وفعل میں صداقت ہو ـــ نتیجتاً سچ ثابت ہو۔

یہ حقیقت ہے۔ کہ جیسا قرآن سے ثابت ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ـــ یعنی قرآن کا تسلیم ـــ جو کچھ ظاہر وباطن ـــ احکام ومتشابہات سے ہے۔ ایک رسول کی شہادت پر تسلیم کیا جائے۔ اس حال میں۔ کہ یہ علم عوام الناس کے حدِّ فہم ـــ حدِّ ادراک سے ماورٰی ہوتا ہے۔ جس کی دلیل حاصل ہونا مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں عقیدہ احمدیہ (مرزائیت) کا ایک مسئلہ اصولی ضابطہ کے تحت بطورِ مثال بطورِ دلیل زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے نبی ہونے کے دعوے میں دو دلائل پیش کئے ہیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ہزار بار (کئی بار) نبی کہہ کر پکارا۔ لیکن اس امر کی تائید۔ شہادت۔ حقیقت۔ کسی طور۔ میسر نہیں۔ البتہ نبی ہونے کے دعوے پر اس امر کو بلا دلیل تسلیم ہونے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ مگر نبی کی حیثیت مشکوک ثابت نہ ہو کہ مرزا صاحب

اور علمائے اسلام (اہل احناف) کے درمیان فساد (مقدمہ) میں مرزا صاحب ۔ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نبی ۔ کے لیے) ایک بے دین دشمن اسلام انگریز یا ہندو جج سے نبوت کی سچائی میں فیصلہ لینے پر مجبور ہو ۔ جب کہ ایک نبی کی حفاظت و اجرائے دین اللہ کی قدرت پر منحصر ہے ۔ اس حال میں کہ مرزا صاحب کی نبوت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حمایت ونصرت ہونا شرط ہے ۔

دوئم مسئلہ ۔ یہ ہے ۔ کہ نبوت کے دلائل میں ۔ مرزا صاحب نے یہ توجیح پیش کی ہے ۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے (نبی ہونے کی حیثیت میں) براہ راست وحی آتی ہے ۔ اس حال میں کہ اجرائے دین کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بعد ۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے ساتھ دوبدو ہمکلام ہوتے ہیں ۔ بلاشبہ یہ دعوٰے بغیر دلیل قبول وتسلیم کیا جاسکتا ہے ۔ یہ وحی براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا جائز ہوسکتی ہے ۔ اس طریق کو "القا" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ۔

ہاں ! یہ ایک علمی زاویہ ۔ اجتہادی مسئلہ ہے ۔ کہ ایک نبی ۔ عالم امت (یا اولیائے امت) کو اجرائے قرآن وحدیث کی صورت میں ۔ براہ راست وحی آتی ہے ۔ یا آسکتی ہے ۔ جب کہ زمانہ عہدِ رسول کا ہو ۔ یا مابعدِ رسول کا زمانہ ۔ اس عمل میں ۔ کیفیت مختلف ہوتی ہے ۔ کہ وحی کا سبب کیا ہے ۔ وحی کس پر آتی ہے ۔ وحی کس واقعہ پر آتی ہے ۔ وحی کس نوع کی ہوتی ہے ۔ اس کے متعلق قرآنی ذریعہ پر تحقیق ہوسکتی ہے ۔

(۱) قرآن نے بعض مقامات پر ۔ ہدایات وراہنمائی میں "وحی" بھیجنے کا اشارہ دیا ہے ۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۶۸) اللہ تعالیٰ ماسوئی ۔ وحی قرآن کے ۔ ماسوئی رسول کے عام مخلوق پر اپنا ارادہ مسلط کرنے میں ۔ مسلط کرنے کا طریقہ ۔ وحی کے طریق پر ۔ منتقل کرتا ہے ۔ اس حال میں کہ اس ترکیب کو عربی میں وحی سے تعبیر دیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ شہد کی مکھی پر اسکی راہنمائی کے لیے اپنا ارادہ ۔ اس طرح عمل میں لاتا ہے ۔ کہ شہد کی مکھی کے دل پر اپنی توجہ سے یہ بات ڈال دیتا ہے ۔ کہ وہ اونچے پہاڑوں پر اپنا چھتہ بنائے ۔ (جب کہ اس وحی کا تعلق احکام الٰہی سے نہیں) ۔

(۲) دوسرا انداز ۔ طریقہ ۔ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي

التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ (پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۳۹) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی اس موقع پر ہدایت کی۔ کہ حضرت موسیٰؑ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔ جب کہ اس کے ذہن میں یہ سوچ نہ تھی۔ کہ بچے کی حفاظت کس طریق سے ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں یہ بات تھی۔ جو حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے قلب پر وحی (القا) کی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کسی ارادہ کے منتقل کرنے کا یہی طریقہ۔ وحی کا ہوتا ہے۔ جو صرف رسول کے لیے مخصوص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا۔ اسے وحی کیا۔ ایسی صورت میں۔ یہی ترکیب الٰہی۔ بعض مقامات پر۔ اکثر ہستیوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ اس حال میں۔ کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ قدرت۔ اختیار رکھتا ہے۔ کہ اسی ترکیب پر کسی پر وحی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ترکیب کا حوالہ بھی پیش کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر فَأَوْحَىٰ عَلَىٰ قَلْبِكَ کے ارشاد میں۔ قلب (دل) پر وحی کئے جانے کی ترکیب بیان کی۔

یہ حقیقت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے علمِ الٰہی کے اجرا کا ایک اصولی ضابطہ طے شدہ ہے۔ کہ مخلوقِ انسانی میں (ایک رسول کے ذریعہ) اپنی بات۔ اپنا حکم۔ اپنی ہدایت۔ بھیجنے کا ایک طریقِ وحی ترتیب دیا۔ اس وحی کے نزول میں۔ اللہ تعالیٰ کسی موقع پر وحی کرنے میں۔ پابند و مجبور نہیں۔ جب چاہے۔ جسے چاہے۔ جیسے چاہے۔ وحی کر سکتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی غیر پر وحی نہیں کر سکتا۔ یا نہیں کرتا۔ ایسا نہیں۔ اس لیے کہ نزولِ وحی میں سیاق و سباق پر نظر رکھی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو كَافَّةً لِّلنَّاسِ کے خطاب کے ساتھ قیامت تک کے افرادِ انسانی۔ کے لیے۔ نبی۔ اور رسول بنا کر بھیجا۔ ایسی صورت میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہی۔ عالمِ انسانی کو۔ ہر زمانہ میں۔ فیض و ہدایت میسر ہوگا۔ لہٰذا اس حصولِ ہدایت میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمائے امت۔ اولیائے امت۔ وحی کے ذریعہ۔ حسبِ حال ہدایات و احکام حاصل کر کے مخلوقِ انسانی کی راہنمائی کا فریضہ ادا کر کے صفتِ مَقَامًا مَّحْمُودًا کو قیامت تک جاری رکھیں گے۔ اس حال میں۔ کہ علمائے امت کے ذریعہ۔ قرآن و حدیث کا علم علیٰ حالہٖ ہر زمانہ میں محفوظ۔ لائقِ اجرا ہوگا۔ جب کہ زمانہ قدیم میں۔ کسی نبی کے علم و عمل کو محفوظ کرنے۔ ہونے کا۔ کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔

یہ حقیقت ہے۔ کہ فرمانِ الٰہی۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى کے مطابق۔

یہ حکم تمام مخلوقِ ارضی کے لیے ہوتا ہے۔ جس میں زمانہ کے مطابق۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو نبی آخرالزمان کی حیثیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد۔ تمام مخلوقِ انسانی کی ہدایت کے لیے مخصوص کیا گیا۔ جس میں ہدایت کے ذریعہ میں۔ اللہ تعالیٰ کی "وحی" کو بھی دخل ہے۔ کہ بعدِ زمانۂ رسالت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء۔ اولیاء اجراءِ قرآن اور فرمودۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک جاری رکھیں گے۔ جس میں ہدایت کے دونوں ذرائع —— "وحی الٰہی" —— اور علمائے امت کے ذریعہ "مدون" کیا قرآن و حدیث کا علم شامل ہوگا۔ ایسے موقع پر کسی زمانہ میں مابعدِ رسول قرآن و حدیث کے اجراء و تبلیغ میں عالمِ امت[1] کے لیے وحی کے ذریعہ بطور امداد علم فراہم ہوتا ہے۔

---

[1] اس حقیقت کی دلیل میں ایک تاریخی سند پیش کی جاتی ہے۔ گو یہ سند قرآن و حدیث سے ماخوذ نہیں لیکن اجتہادی (فقہی) نکتہ نظر میں قابلِ توجہ ہو سکتی ہے۔

واقعہ یوں ہے۔ کہ سابقہ زمانہ میں۔ ہندوستان میں۔ ایک ممتاز محقق و محدث۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی جو اپنے زمانہ میں (زمانہ حال میں) حدیث لکھنے کے دوران (دورانِ تالیف) اگر انہیں کسی حدیث کی صحت پر شک گزرتا۔ تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی میں (مراقبہ میں) پیش ہو کر براہ راست حضورؐ سے حدیث کی تصحیح فرماتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صحیح حدیث کی نشاندہی فرماتے۔ تو شاہ صاحب تصحیح شدہ حدیث کو مدون فرماتے۔ یہ واقعہ ازروئے شریعت (طریقت) درست ثابت ہو سکتا ہے۔ یہی انداز حصولِ علم وحی سے بھی تعبیر ہو سکتا ہے —— اسی انداز پر یہ حقیقت ہے۔ کہ اصلاً "النبی" کی تعریف میں ہے۔ کہ دعوئے نبوت میں۔ ایک نبی صاحبِ مشاہدہ۔ صاحبِ معرفتِ الٰہی ہوتا ہے۔ اس کا معرفتِ الٰہی میں کامل ہونا شرط ہے۔ معرفتِ الٰہی سے مراد دیدارِ الٰہی۔ قربِ الٰہی پانا ایک حقیقی تصور ہے۔ ایسی صورت میں۔ صاحبِ مشاہدہ نبی۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی خصوصیت رکھتا ہے۔ اس لیے اسی خصوصیت ہمکلامی میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے۔ قرآن کے جملہ احکام کے متعلق۔ اللہ تعالیٰ سے کلام بھی وحی سے تعبیر ہوتا ہے۔ کہ بعض اوقات نبی کی عاجزی کی حالت میں (بوجہ اجرائے قرآن میں معذوری کے) اللہ تعالیٰ کلامِ الٰہی میں مطلوبہ احکام کی نشان دہی کرتا ہے۔ ایسی کیفیت کو بھی وحی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ دراصل مرزا صاحب نے انہی ضوابط کی روشنی میں۔ خود کو نبی ہونے کی دلیل میں ایسے شواہد پیش کیے۔ لیکن ان کے حق ہونے میں۔ شک کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ تاوقتیکہ مرزا صاحب کی نبوت میں ازروئے قرآن۔ مرزا صاحب کے صاحبِ معرفت ہونے کی دلیل فراہم نہ ہو کہ فی الواقع مرزا صاحب کی ذات سے کسی موقع پر صاحبِ معرفت ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا ہو۔ جب ہی یہ دعوے درست (سچ) ثابت ہو سکتا ہے۔ ورنہ بغیر دلیل۔ بغیر مشاہدہ۔ صاحبِ مشاہدہ ہونا ثابت نہ ہو تو یہ کیفیت کذب میں شمار ہوتی ہے۔ جس سے مرزا صاحب کے مقامِ نبوت کی نفی ہو سکتی ہے۔ ایسے موقع پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس مقام پر ایک زائد۔ اضافی تصور کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جس میں علمائے اُمّت پر براہِ راست "وحی ہونا" ثابت ہو سکتا ہے ——— واضح ہو کہ بنیادی عملِ رسالت ہیں۔ کلام الٰہی۔ ایک منتخب نبی پر بحیثیت رسول۔ وحی ہوتی ہے۔ جیسے "وحی جلی"۔ وحی خاص سے تعبیر دیا جاتا ہے اور بحکم قرآن ——— مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ۔ کلام الٰہی کے سوا۔ جو کچھ رسول اپنی طرف سے حکم دے۔ اس حکم کو بھی تسلیم کرو ——— اس حکم کو بھی۔ وحی خفی۔ اور حدیث (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام) سے تعبیر دیا گیا اور جیسا کہ بیانِ بالا ہیں۔ وحی کے متعلق بیان ہوا۔ یہ دونوں احکام (وحی) ہر زمانہ میں استعمال ہوں گے۔ ایسی صورت میں واضح ہے۔ کہ ہر زمانہ۔ ہر دور میں۔ جب کہ اجرائے قرآن و حدیث کا فریضہ علمائے امت اولیائے امت کے ذمہ ہوگا۔ کسی عالم۔ کسی ولی۔ کسی نبی مبلغ (دعوائے نبوت کرنے والے)۔ ولی۔ نبی پر وحی کا ہونا یقینی ہو سکتا ہے۔

محترم قارئین! ٹھنڈے ذہن وقلب سے اس حقیقت پر تحمل سے غور وفکر سے ایک حقیقی تصور پر پہنچا جا سکتا ہے۔ اس حال میں کہ بغیر غور و تحقیق کسی بات کی نفی کرنا حقیقت کی تسلیم و آگاہی سے محرومی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہی طریق۔ فریقین میں وجہِ عناد۔ تفرق اور نتیجتاً حقیقت سے بلا نجر یہ رد و انکار سے کسی طرح بھی اتفاق نہیں ہو سکتا۔ ضرورت ہے۔ کہ حقیقی معنوں میں۔ قرآن و حدیث کی آیات پر تفسیر و فقہ سے حقائق حاصل کئے جائیں۔

جیسا عرض خدمت ہے۔ کہ سطحی طور اس نظریۂ وحی کے علمائے احناف قائل نہیں ہوتے۔ جب تک کہ اس مسئلہ کو بحث و تمحیص سے طے نہ کیا جائے۔ اور جب علمائے امت عرصہ دراز سے جماعتِ احمدیہ کے ہر نظریہ کی رد کرتے ہیں۔ اختلاف فیہ نظریات میں اتفاق نہیں ہو سکتا۔ ایسی ہی صورت اس "مسئلہ وحی" کی ہے۔ کہ رسول کے بعد وحی منقطع ہوتی ہے۔ اور بغیر رسول کسی غیر پر وحی کا تسلیم ہونا۔ کفر کے مترادف ہے ——— مگر جیسے اس بیان میں حقائق بدلائل پیش کئے گئے۔ ان دلائل میں مرزا صاحب کے دعوے کو تقویت ملتی ہے۔ کہ انہیں اللہ کی طرف سے براہِ راست وحی حاصل ہو سکتی ہے۔ البتہ اس حقیقت کو تسلیم وقبول کرنے میں چند شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ کہ ایسی وحی کے لیے ایک مدعی۔ (مدعی نبوت) کے لیے چند خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۵) جب کہ کسی دعوے میں دلیل مہیا نہ کی جا سکتی ہو دین میں فساد و فتنہ کا سبب بن سکتا ہے۔

جو ان کے مقامِ نبوت کی دلیل ہو سکتی ہے۔

(۱) اوّل یہ کہ مدعی نبوت اپنے دعوے میں کہاں تک سچے ثابت ہیں۔ جس کے لیے انہیں مشاہدۂ قلبی ہونا ضروری ہے۔

(۲) ایک مدعی نبوت کے لیے بالمشاہدہ معرفتِ الٰہی۔ معرفتِ اسرارِ کائنات کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ النبی ("نبا" سے ماخوذ ہے) کا خالص مفہوم مشاہدہ و معرفت کی خبر دینے والا ہونا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب نبی۔ الدین الاسلام۔ دینِ الٰہی کی وسعت و تعلیم کے لیے منتخب ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے نبی کے لیے عالمِ اجل و اکمل۔ ہونا۔ کہ قرآن و حدیث و فقہ پر بحد کمال و اکمل عبور ہو۔

(۴) پھر جب اللہ تعالیٰ کے منصوبۂ الٰہی کے تحت منتخب ہو۔ تو ایسی صورت میں انہیں اللہ تعالےٰ کی حمایت حاصل ہو کہ الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ تمام ادیان پر غالب۔ اسلام۔ الدین۔ کی وسعت و احکام۔ اور عمل الدین الاسلام دنیا پر غالب وسعت پذیر دین ثابت ہو۔

(۵) جیساکہ وحی کی تفسیر میں بیان کیا گیا۔ کہ مدعی نبوت کو حمایت الٰہی حاصل ہو۔ اس کے ساختہ دین کو وسعت و کامیابی حاصل ہو۔ (دین پر نہیں تو) کم از کم عالمِ اسلام کو وسعت و غلبہ و استحکام حاصل ہو۔

(۶) مرزا صاحب اپنی زندگی میں۔ یا بعد حیات کوئی ایسا دین حاصل نہ کر سکے جو ایک نبی کی تبلیغ اور اجرائے دین میں وسیع قوت کا حامل ہو۔ اور جہاں تک اصطلاحِ شریعت میں النبی کا مفہوم صاحبِ معرفت ہونا لازم ہے۔ مرزا صاحب نے کوئی ایسا نشان نہ چھوڑا جس میں ایک صاحبِ معرفت نبی۔ یا ولی کی شناخت باقی رہی ہو۔ یا بعد حیات جیسا کہ نبوت کا لازمہ ہے۔ اپنے بعد کوئی صاحبِ معرفت خلیفہ چھوڑا ہو۔ جو دین محمدیؐ کے استحکام کے مقام پر قائم ہو۔ یا جس سے دینِ اسلام کی وسعت و استحکام میں زمانہ کے ساتھ ترقی ہو۔ برعکس اس کے دنیائے اسلام پیشتر سے اب تک ذلیل و خوار ہو رہی ہے۔ ایسی صورت میں جب اجرائے دین میں۔ علمائے اسلام کی انتھک جدوجہد و تبلیغ کی ضرورت ہے۔ جماعت سے کسی فرد کی خصوصیت ظاہر نہیں۔ جس سے۔ خود مرزا صاحب اور ان

کی جماعت کے افراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آنے کا ثبوت فراہم ہوتا ہو — ایسی صورت میں جملہ علمائے امت۔ اور علمائے جماعتِ احمدیہ اور جملہ جماعتوں سے استدعا ہے۔ کہ انسان نے (جماعت) ہر عمل اللہ اور اُس کے دین۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت (الدین الاسلام) کی خاطر حسنِ نیت دیانت اور عقلمندی سے اپنے لیے ایک راہِ مستقیم۔ صحیح علم۔ صحیح عمل اختیار کرنا ہے۔ تاکہ انسان دینی حیثیت میں ایک نجات یافتہ راہ حاصل کر کے اللہ و رسول ؐ کے نزدیک ظاہر و باطن میں نجات یافتہ ہو سکے۔ ورنہ لاعلمی میں اپنے انسانی نصب العین سے غفلت کسی طرح (خواہ وہ حنفی ہو۔ بریلوی ہو۔ یا احمدی ہو) عذابِ دنیوی و عذابِ آخرت سے بچ نہیں سکتا۔ خواہ وہ دھوکہ میں اپنے آپ کو بلا تحقیق بلا علم نجات یافتہ سمجھے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ۔

العارض

محمد نور الدین اویسی کشمیری

۴۰۴۰۳ لنک روڈ ایبٹ آباد

محررہ ۱۵ ستمبر ۱۹۹۳ء

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت (النبوت) پر ایک عالمگیر تنازعہ ــــ جماعتِ احمدی (غلام احمد) اور علمائے اسلام کے درمیان پیدا ہوا۔ اس سلسلہ میں۔ مرزا غلام احمد موصوف نے نبی (النبی) ہونے کے دلائل وثبوت میں قرآن وحدیث۔ اور اسلامی عقائد کا حوالہ پیش کیا۔ انہی دلائل وعقائد پر جماعتِ احمدیہ۔ مرزائیہ۔ کے علما نے ایک وسیع علم ترتیب دیا جو جماعتِ احمدیہ میں ــ مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت کی اساس ہے۔ جس عقیدہ پر جماعتِ احمدیہ خود کو حقیقی مسلمان (مومن) سمجھتی ہے ـــ اس کے مقابل علمائے اسلام ـ اس عقیدہ کو خلافِ شریعت قرار دے کر ـــ اس جماعت کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ جب کہ جماعتِ احمدیہ کے اعمال۔ اصول وضابطِ شریعت کے مطابق نماز۔ زکوٰۃ۔ حج۔ روزہ۔ تلاوتِ قرآن ووظائف ودرود۔ ارکانِ اسلام بعینہٖ وہی ہیں۔ جو علمائے اسلام اور مسلمان ادا کرتے ہیں۔ فرق صرف مرزا غلام احمد کو "نبی" تسلیم کرنے کا ہے۔ اور اس اختلافِ عقیدہ کی بنا پر۔ اہلِ اسلام کی ایک وسیع جماعت۔ جماعتِ اسلامیہ سے کٹ کر۔ ایک دوسرے کو مٹانے میں ہمیشہ برسرِپیکار رہی ہے۔ اور یہ سلسلہ فساد وعناد ـــ جب تک "النبی" کے مفہوم کو قرآن وحدیث کی روشنی میں۔ اس کے بنیادی تصور کو حاصل نہ کیا گیا۔ جاری رہے گا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ علمائے اسلام۔ اور علمائے جماعتِ احمدیہ ــــ اور خصوصاً بانیٔ جماعتِ احمدیہ۔ غلام احمد قادیانی ــ بھی النبی کے حقیقی تصوّر کو قرآن وحدیث کی روشنی میں نہ پا سکے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہ تصوّر۔ "النّبی" علمائے اسلام اور جماعتِ احمدیہ میں باعثِ اختلاف ونزاع بنا رہا۔ ضرورت ہے کہ اس تصوّر کو واضح طور قرآن وحدیث سے حاصل کیا جائے۔ اس سلسلے میں قرآن نے اپنے ابتدائی بیان میں۔ نہایت تفصیل سے "النّبی" کا حقیقی تصوّر پیش کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ذہن کو فرضی عقائد سے خالی کر

کے اس مسئلہ پر تحقیق کی جائے۔
قرآن نے تصوّر "النبی" پیش کرتے ہیں۔ ایک تفصیلی بحث کی ہے۔ جس کی ابتدا ان آیات سے کی گئی ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰ تا ۳۳)

(لفظی ترجمہ) جب کہا آپؐ کے رب نے ملائکہ سے۔ میں بنانے والا ہوں۔ زمین میں۔ ایک خلیفہ۔ کہا ملائکہ نے۔ کیا تو زمین کی مٹی سے۔ اسے بنائے گا۔ جو فساد و خونریزی کرنے والا ہوگا۔ اور ہم تسبیح و حمد تیری کرنے والے ہیں۔ کہا اللہ نے اس (تخلیق) کے بارے میں جو کچھ میرے علم میں ہے۔ تم نہیں جانتے۔ اور علم دیا آدم کو تمام اسماء کا۔ پھر پیش کیا انہیں۔ ملائکہ پر۔ پس کہا ملائکہ سے۔ علم دو مجھے ان اسماء کا اگر تم اپنے قول میں سچے (درست) ہو۔ کہا ملائکہ نے پاک ہے تو (غلط کہنے۔ غلط کرنے سے)۔ نہیں ہمیں علم ان کا۔ سوائے اس کے جتنا ہمیں تیری طرف سے علم دیا گیا۔ تحقیق تو بہتر جاننے والا اور پوشیدہ کیفیتوں کا پانے والا ہے۔ پس کہا آدم سے! اے آدم۔ خبر دو انہیں ان اسماء کی۔ پس جب خبر دی ان اسماء کی۔ کہا (اللہ نے) کیا میں نے کہا نہیں تھا! کہ میں غیب آسمانوں کا اور زمین کا جانتا ہوں! اور جانتا ہوں۔ جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو چھپاتے ہو۔

ان آیات پر عمیق۔ تفسیر و تاویل اور شانِ نزول ـــ کے ساتھ حقیقی معانی کو اخذ کرنا ہے۔ یہ آیات خاصتاً النّبی کے مفہوم کا اصل تصور کرنے کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ جن میں "النّبی" کا حقیقی تصور واضح ہوتا ہے۔

اس بیان میں اولاً ایک ہیئت کا تصور پیش کیا گیا۔ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ۔

اور خلیفہ ـ ہاں اس بیان سے پیشتر ایک اہم کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ ـــ یہ دانستہ بیان ہے جس میں ایک نوری وجود کا تصوّر پیش کیا گیا ۔ اور قَالَ رَبُّکَ کے حوالہ سے یہ تصوّر قائم ہوتا ہے ۔ کہ ارضی مخلوق سے قبل ایک نوری مخلوق کا وجود قائم ہے ۔ کہ یہ وجود ۔ نوری عالم (آسمان) کی ساختہ نوری مخلوق تصور کی جاتی ہے ۔ اس حال میں کہ نوری وجود تسبیح و حمد کے حامل ہیں ۔ اور اسی تسبیح و حمد کے تصور کے ساتھ ۔ بیان ہوا ـ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۔ کہ میں زمین (وجود) بناؤں گا ۔ زمین میں ایک اور کیفیت ۔ وجود جو زمین کی مٹی سے بنایا جائے گا ۔ اس حال میں کہ تمہارے سوا بھی تسبیح و حمد کا عمل ۔ اس کے ذمہ کیا جائے گا ! اس مقام پر اصولی طور ۔ زمین کے مرکب Material سے بننے والی کیفیت کا ۔ فطری خاصا ۔ فساد و خونریزی ہے ۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۔ مٹی سفلی قوت ہے ۔ اس لیے قانون تخلیق کے مطابق ۔ اس کے Material سے سفلی وجود ہی بن سکتا ہے ۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۔ اور یہ نوری ۔ ہیئت ۔ (نوری عالم کے مرکب Material) کا ہی خاصا ہے ۔ کہ نوری وجود ہی تسبیح و حمد کا حامل ہو!

اس مقام پر اس حقیقت کی وضاحت بیان کی گئی ہے ۔ کہ اللہ تعالٰی کی خالقیت کے قانون کے مطابق ۔ تخلیقِ کائنات کا یہ فطری اصول ہے ۔ کہ ہر عالم نوری میں اس عالم کے مرکب (Material) سے اس کی مخلوق بنتی ہے ۔ اور اسی مخلوقی ہیئت کے مطابق اس کا عمل تسبیح و حمد مقرر کی گئی ہے ۔ اس لئے اَلْمَلٰٓئِکَۃِ ۔ آسمانوں کی مخلوق ہی آسمانی ہیئت (Material) کے مطابق تسبیح و حمد کی حامل ہو سکتی ہے ۔ جب کہ الارض ۔ نوری ہیئتوں کے مقابل ۔ کمتر ہیئت ۔ سفلی وجود رکھتی ہے ۔ جس کا خاصا فساد و خونریزی کے سوا ۔ نوری تسبیح نہیں ہو سکتی ۔ چونکہ الارض ۔ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی تخلیق میں اللہ تعالٰی کا ایک اہم منصوبہ مقرر ہے ۔ جو تخلیقی نظام سے سوا ۔ محض مٹی کی سفلی کیفیتوں سے مرکب نہیں بلکہ منصوبہ الٰہی کے تحت اس وجود کو بھی تسبیح و حمد کا حامل بنایا جائے گا ۔ چونکہ یہ عمل فطری تخلیق کی ترکیب و ترتیب سے زائد ہے ۔ اس لئے ایسی تخلیقی ترتیب پر ملائکہ کا احاطہ نہیں ۔

اس تخلیقی ترتیب کو قرآن نے پھر اپنے بیان میں وضاحت سے پیش کیا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ۔ مِنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ۔ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي۔ فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ۔

جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے کہ میں (اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے منصوبہ میں بیان کئے گئے وجود کو) ایک انسانی شکل و ہیئت کی صورت میں "بشر" کی صورت میں۔ زمین کی سفلی مٹی سے بناؤں گا۔ اس کا مرکب (Material) زمین کی اعلیٰ جوہری قوتوں سے بنایا جائے گا جو (عام زمینی قوت سے سوا) جوہری قوت کا مرکب ہوگا۔ اس حال میں۔ کہ عام زمینی قوت سے بنائی گئی ہیئتوں کے مقابلہ میں قوی۔ غالب اور دماغی حیثیت میں سوّیہ۔ عقل و خرد اور ارادہ کا حامل انسان ہوگا۔ اور عقل و خرد کے ودیعت ہونے سے۔ اس میں فساد و خونریزی کی خاصیّت۔ باقی نہ رہے گی۔ وہ اشرف المخلوقات ارضی ہوگا۔ اور "لِلْمَلٰٓئِكَةِ" ملائکہ کے تخلیقی عمل سے سوا اس انسان میں (ملائکہ سے افضل) ایک نوری قوت ودیعت کی جائے گی۔ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي۔ یہ نوری قوت زمین (الارض) کے مرکب (Material) سے نہیں۔ بلکہ عالمِ نوری کی جُز مخصوص (منتخب) کرکے انسانی وجود میں نفخ کی جائے گی۔ جس قوت سے اس ارضی پیدائش (Material) کا مقام ملائکہ نوری سے اعلیٰ و افضل قرار دیا جائے گا ــ ملائکہ نے اس مخصوص انسان کا اس کی نوری صفت و کمال کے ساتھ مشاہدہ کیا۔ تو فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ۔ تمام ملائکہ نوری۔ جبرائیل سے لے کر آسمانِ اوّل کے نوری ملائکہ نے۔ اس مخلوقِ ارضی (آدم) کی فضیلت و برتری کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ لہٰذا ضروری تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کمالِ تخلیق کا بیّن بظاہر ثبوت و دلیل پیش کرے۔ کہ اس نوری ہیئت کے نفخ و ودیعت کرنے کا مقصد و نتیجہ کیا ہے؟ اس کا اظہار اس آیت سے کیا گیا ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ اور علم دیا آدم کو تمام اسما کا۔

جہاں تک انسانی (ارضی) تخلیق کا بیان ہوا۔ اس میں تخلیقِ ارضی کی تفصیل و ترتیب بیان کی گئی۔ اب اس تخلیق میں وَعَلَّمَ آدَمَ کا بیان ایک اضافی بیان ہے۔ جس کا تخلیق سے تعلق نہیں۔ اس امر سے واضح ہوتا ہے۔ کہ اس قرآنی بیان میں انسانی تخلیق

کے عمل کی تکمیل ابھی باقی ہے۔ جو عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ سے واضح ہوتی ہے۔

اس مقام پر اس بیان میں عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے خصوصی بیان پر عمیق غور۔ اور تفسیر پر خصوصی توجہ دینا ضروری ہے۔ اِکہ "عَلَّمَ" کی خصوصیت کیا ہے۔ اور "اسماء" کا حقیقی تصور کیا ہے؟۔ یہ امر "اسماء" کے لفظ سے واضح ہوتا ہے۔ جس کے لیے قرآن نے اسماء کی فہم اور اصل تصور حاصل کرنے کے لیے ایک بیان پیش کیا۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ پھر پیش لیا ان "اسماء" کو ملائکہ پر۔ اور کہا "خبر دو"۔ ان اسماء کی اگر تمہارا کہنا "کافی" ہے۔ لیکن ملائکہ نے عجز ظاہر کیا۔ کہ یہ اسماء ہمارے حدِ ادراک سے ماورائی ہیں۔ جب کہ ان اسماء تک ہماری رسائی نہیں۔ کہ ہم عین الیقین۔ حق الیقین کی حد تک ان کا علم و مشاہدہ حاصل کر سکیں۔ اس بیان سے محض یہ تصور ملتا ہے کہ "اسماء" ایسی کیفیتیں ہیں۔ جو ملائکہ کی رسائی اور حدِ ادراک سے ماورائی ہیں۔ تو واضح ہے۔ کہ یہ اسماء ملائکہ سے قبل نوری تخلیق کی کیفیات ہیں۔ جنہیں عالمِ بالا۔ اور عالمِ نوری یا اسرارِ کائنات (تا ذاتِ الٰہی) سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ کی ترتیب پر غور کریں۔ بقول علماء محققینِ اسلام کہ اسماء سے مراد زمین کی پیداواری جملہ اشیاء ہیں۔ تو اس امر کا تعین نہیں کہ سدرۃ المنتہٰی سے لے کر آسمانِ اول تک کے ملائکہ سے یہ سوال کیا گیا۔ تو وہ کون سا مقام ہے۔ جہاں ملائکہ یکجا جمع ہوں۔ اگر یہ ممکن نہیں تو عَرَضَهُمْ کی کیا ترتیب ہوگی؟ اور جب ملائکہ کے عجز اور لاعلمی پر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ "اسماء" سے مراد وہ مقام ہے۔ وہ کیفیات جو ملائکہ کے حدِ ادراک سے ماوراء۔ عالمِ نوری سے تشبیہ ہیں۔ جنہیں اصطلاحِ عربی میں۔ اسرارِ کائنات سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ جس کے لیے عَرَضَهُمْ کی تاویل میں کسی مقام کے تعین کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کہ ملائکہ سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم اپنے تسبیح و حمد کے نتیجہ میں اسرارِ کائنات کے مشاہدہ و رسائی کی خبر دو۔ جس کے لیے خصوصی طور "اَنْۢبِئُوْنِيْ" کا لفظ استعمال کیا گیا۔

اور اب آدم کے لیے بھی عَرَضَهُمْ میں تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق میں وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کا ودیعت ہونا محض عَلَّمَ

اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے لیے مقرر کیا۔ کہ انسان اپنی سفلی حیثیت میں نہ ملائکہ سے افضل ہو سکتا ہے۔ نہ علم الاسماء حاصل کرنے کی اس میں استطاعت ہے۔ اور مقام کے اعتبار سے۔ آدم کی تخلیق فِی الْاَرْضِ۔ زمین سے ہوئی۔ اس کا زمین پر ہی مقام ہے۔ زمین پر مقام میں ہی اللہ تعالٰے نے (دہبی طور) آدم کو روح رحمانی (وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ) کے ذریعہ تمام ارض وسماوات کے آثار واسرار کا مشاہدہ دیا۔ اسی کمالِ علم پر ملائکہ نے (روح رحمانی کے نفخ کی خصوصیت پر) آدم کی عظمتِ روحی کو تسلیم کیا۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اور یہ جو حضرت آدمؑ کے لئے قرآنی بیان یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ کا ذکر آیا ہے۔ یہ اشارہ زمین پر واقع ایک باغ کی طرف ہے۔ کہ باغ ارضی کو عربی میں اَلْجَنَّةَ کہا جاتا ہے۔ اس کے سوا قرآن وحدیث سے کسی موقع پر آدم کی جنت (جَنَّةِ عُقْبٰی) کا ذکر نہیں۔ کہ آدم کی جنت آسمانی میں سکونت ہوئی۔ اس حال میں بھی یہ واضح نہیں۔ کہ زمین کی اشیاء کا آدم کو مشاہدہ وعلم دیا گیا ہو۔ سوائے معرفتِ اسرار الٰہی کے۔

لہذا قرآنی بیان سے یہ حقیقت واضح ہے کہ آدم کی حیثیتِ خلیفہ فِی الْاَرْضِ فقط مشاہدہ اسرارِ الٰہی۔ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی سے تعبیر ہے۔ اس مشاہدہ کی کیفیت کو خود قرآن نے ایک خصوصی تصور سے پیش کیا۔ وہ لفظ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ہے۔ یعنی خبر دو مجھے اسرارِ باطن کی۔ یہ خصوصیت حضرت آدمؑ کو نفخ روح کے ودیعت ہونے سے حاصل ہوئی۔ اور مشاہدہ اسرارِ الٰہی کے لیے ہی روح نفخ ہوئی۔ اس بیان میں ملائکہ سے سوال میں اَنْۢبِـُٔوْنِیْ کا لفظ خود دلالت کرتا ہے۔ کہ یہ لفظ برمحل استعمال ہوا۔ کہ ملائکہ سے اسرارِ باطنی کے علم ومشاہدہ کا سوال کیا جاتا ہے۔ جس سے اَسْمَآءَ كُلَّهَا کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اَسْمَآءَ كُلَّهَا وہ کیفیات ہیں۔ جو ملائکہ کے حدِّ ادراک ورسائی سے بالاتر مقام ہیں۔ اسی معنی میں حضرت آدمؑ سے۔ انہی اسماء کے علم ومشاہدہ پر فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ یعنی پس جب آدم نے کائنات میں واقع عالم نوری۔ ناری۔ خاکی کی اشیاء وکیفیات کی خبر دی تو اس خبر کو اَنْۢبَاَهُمْ سے تعبیر دیا گیا۔ تو اس لفظ کے مفہوم کے اعتبار سے۔ آدم کو خبر پانے والا (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ) اور خبر دینے والا (فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ) لقب دیا گیا۔ اس کیفیت کو قرآنی اصطلاح قریش میں النبی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یعنی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے بیان میں الخلیفة

فی الارض کو۔ خلیفہ کے تصور میں النّبی بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ لہذا خلیفہ کے بنیادی تصوّر کو انہی آیات کی روشنی میں "النّبی" کے تصور میں دیکھا سمجھا جاتا ہے۔

اب آئندہ تخلیقِ انسانی میں ـ انسانی تخلیق۔ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی تحقیق میں۔ عام انسان کی ہیئت وحیثیت کا جائزہ لینا ہے۔ کہ آیا مخلوقِ انسانی میں کیا تمام انسان خلیفہ۔ "النبی" کی صفت میں آتے ہیں؟ تو اس کے لیے انسانی مرکبِ جسمانی پر تحقیق کرنا ہے۔ کہ آدم کی ہیئتِ جسمانی میں۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ کا مرکب شامل ہے۔ ہر انسان نسلِ آدم سے ہے۔ نسلی اعتبار سے۔ بیٹا باپ کے تمام خواص ومرکباتِ جسمانی پر خلق ہوتا ہے۔ (پیدا ہوتا ہے) لہذا۔ بیٹے میں۔ جسم۔ اعضائے جسمانی۔ روح (روحِ حیوانی) اور ودیعت شدہ روح (روح رحمانی) نسلی انتقال میں وراثت میں منتقل ہوتے ہیں۔ یعنی یہ بیٹا باپ کی تمام جسمانی حیثیت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی وجود میں بھی (مثلِ آدم) روحِ رحمانی نفخ کی جاتی ہے۔ اس کیفیت کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تحقیق کی۔ روایت دلیل ہے۔ کہ ایک انسان کی پیدائش میں۔ بچے میں۔ ماں کے پیٹ میں ہی۔ تین ماہ دس دن بعد۔ روح۔ (روح رحمانی) نفخ کی جاتی ہے۔ اس عمل میں ایک بچہ بھی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی صفت میں شامل ہوتا ہے۔ اور نفخِ روح پر۔ ہر انسان کو۔ اس کی روح کو۔ مشاہدہ اسرارِ باطنی دیا جاتا ہے۔ چونکہ آدم کو یہ مشاہدہ اس کی روح کو ہی دیا گیا۔ اس حال میں کہ آدم کا وجود جسمانی "سوّیتہٗ" مکمل ہو چکا تھا۔ اور نسلِ آدم کو ماں کے پیٹ میں تین ماہ دس دن کے بعد نفخ روح کے موقع پر مشاہدہ اسرارِ باطنی دیا جاتا ہے۔ اس حیثیت میں نسل آدم کا ہر انسان۔ آدم سے لے کر۔ قیامت کے آخری انسان تک پیدائشی طور خلیفۃ فی الارض کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور جب کہ خلیفہ کی صفت میں مشاہدہ اسرارِ باطنی کا حامل ہوتا ہے۔ اس حیثیت میں ہر انسان پر خلیفہ کی صفت کے ساتھ "النبی" کا تصور قائم ہوتا ہے۔ یعنی "النّبی" کا ایک تصور یہ ہے کہ ہر انسان النّبی کے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ جس تصور پر اللہ تعالیٰ نے آدم کو بحیثیتِ "خلیفہ۔ بحیثیت "النّبی"۔ پیدا کیا۔ اور یہ تصور قرآنی بیان کے مطابق۔ زمین پر ہیئتِ بشری۔ ہیئتِ آدم پر پیدا ہونے والے ہر انسان کے لیے لازم آتا ہے۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے بیان میں زمین پر پیدا ہونے والا ہر انسان شامل ہے۔

اگرچہ قرآن اس تاریخی واقعہ کی تفصیل نہیں دہراتا۔ کہ نسلِ آدم میں اولادِ آدم کو بھی۔ عِلْمُ الْاَسْمَآءِ کا مشاہدہ دیا گیا۔ تاہم اس قرآنی بیان سے یہ امر محقق ہوتا ہے۔ کہ نسلِ آدم کو بھی۔ آدم سے فیض حاصل ہوا۔ اور یہ سلسلہ فیض رسانی اولادِ آدم میں تادیر مسلسل جاری رہا۔ اس حال میں۔ کہ نسلِ آدم ہیں۔ ابتدائی پیدائش صفاتِ انسانی پر۔ پاکیزہ روح جسم۔ علیٰ حالہ صاحبِ مشاہدہ ومعرفت رہی۔ جن میں ہر انسان۔ خلیفہ والنبی کی صفت پر قائم رہا۔ اور آئندہ اس قرآنی بیان کے زیرِ اثر بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ ایک وقت آئے گا کہ اولادِ آدم محض خواہشاتِ نفسانی کی خواہش وطلب کے نتیجہ میں فساد وخونریزی پر اُتر آئے گی۔ اس عمل کا فطری نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مخلوقِ انسانی میں۔ پاکیزہ روح وجسم نہ ہونے کے باعث۔ مشاہدہ اسرارِ باطنی سے محروم ضلالت وگمراہی میں گرفتار ہوکر لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ قرآنی ضابطہ کے تحت انسان صفاتِ خلافت ونبوت سے محروم ہوکر اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ مثل۔ حیوانوں کے مشاہدہ اسرارِ باطنی سے غافل ہوجائیں گے۔ کہ زمانہ میں ایک فردِ انسانی بھی خلیفہ کی صفت میں باقی نہ رہے گا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے آدم سے یہ وعدہ کیا۔ کہ ایسے موقع پر کہ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ تمہارے مقامِ خلافت سے گر کر تنزل میں آنے پر۔ میں کتاب کی صورت میں ایک کتاب ہدایت نازل کروں گا۔ اور اس کے ساتھ ایک ہادی بھی مبعوث کروں گا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ٥ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ نے احسان کیا مومنوں پر (جو مومن ہوئے) جب ان کی طرف ایک رسول بھیجا۔ وہ پڑھتا ہے ان پر "اللہ کی کتاب"۔ اور تزکیہ روح وجسم سے انہیں پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ اور پھر کتاب میں دیئے گئے آثار واسرار کا علم ومشاہدہ دیتا ہے۔ (حقیقتاً اس مشاہدہ میں اَسْمَآءَ كُلَّهَا کا علم بھی شامل ہے) اور حکمت۔ کیفیاتِ باطنی کا مشاہدہ وعلم بھی دیتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے۔ مخلوقِ انسانی میں ہدایت کا ایک نیا منصوبہ قائم کیا۔ کہ گمراہ

مخلوقِ انسانی (اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا) پر اپنی طرف سے یہ احسان کیا۔ کہ مخلوقِ انسانی کو پھر سے اپنے مقامِ خلافت و نبوت پر پہنچانے کے لیے ــــ ایک "کتاب" ــــ ایک "رسول"، پیدا کیئے ــــــ "کتاب" سے مراد۔ ایسے احکام جن پر عمل کر کے انسانی روح و جسم پاکیزہ ہو کر۔ دوبارہ اپنا مقامِ خلافت حاصل کر کے معرفت و مشاہدہ حاصل کرے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہی گمراہ انسانوں میں ایک انسان کو نامزد ــــ و مصطفیٰ (منتخب) کیا۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے احکام دیتا ہے۔ انہی احکام پر مخلوقِ انسانی کو عامل بنا کر اسے مقامِ خلافت پر پہنچاتا ہے۔ اس کی ترکیب الٰہی کیا ہے؟ ــــ کلامِ الٰہی کے احکام لوگوں کو پڑھ کر سُناتا ہے ــــ انسانوں کو تزکیہ کراتا ہے۔ تاکہ ان کا روح و جسم پاکیزہ ہو کر قابل مشاہدہ ہو جائے۔ اور (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ) کتاب میں دیئے گئے باطنی آثار ــــ اور مشاہدہ علم الاسماء حاصل ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ علم انسانوں کو آدمؑ سے ورثہ میں ملتا رہا ــ لیکن انسان کی فساد و خونریزی کے نتیجہ میں یہ علم ان سے محو ہوتا رہا۔ اور یہ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ گمراہی میں کھو گئے تھے۔

اس قرآنی بیان ایک نئے واقعہ کا تصور دیا گیا۔ کہ انسان۔ اپنی گمراہی کے سبب مقامِ خلافت و نبوت سے محروم ہو گیا۔ اس حال میں۔ کہ مخلوقِ انسانی میں کسی خلیفہ۔ کسی نبی کا نہ مظاہرہ ہوا۔ نہ تصور باقی رہا۔ منصوبہ الٰہی کے تحت اب گمراہ مخلوقِ انسانی کے لیے۔ ایک "ہدایت"، کا سامان مہیا کیا جائے۔ تو انہی گمراہ انسانوں میں (ایک فرد کی نسل[1] سے) مِنْھُمْ۔ ایک پیدا ہونے والے انسان کا خصوصی طور انتخاب کیا گیا ــــ کہ اس پیدا ہونے والے انسان کے ذریعہ مخلوقِ انسانی تک ہدایت (کلامِ الٰہی) پہنچائی جائے۔ تو اس کی صورت یہ ہوئی کہ فطری طور اس انسان نے خلیفہ کی حیثیت سے پیدا ہونا ہے ــــ یہ انسان (بچہ) اسی حیثیت میں پیدا ہو گا اور اس کی خصوصیات و صفاتِ خلافت کو دنیا کی شر سے محفوظ کیا جائے گا۔ کہ اس کی صفتِ مشاہدہ اسرارِ باطنی محفوظ رہے گی۔ کہ اس حال میں کہ یہ انسان علیٰ حالہ بلوغت تک صفاتِ خلافت تک قائم رہے گا۔ اور منصوبۂ الٰہی کے مطابق۔ اس انسان کو مشاہدہ اسرارِ باطنی۔ علم الاسماء حاصل رہے گا۔ اور وقتِ موعود پر اسی انسان کو ــــ اسی صفت کے ساتھ۔ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ۔ عہدہ (مقام) "رسالت" پر فائز

[1] آذر کی نسل سے ابراہیمؑ۔

کر کے ۔ "ہدایت" یعنی کلامِ الٰہی ۔ بذریعہ "وحی" عطا کیا جائے گا ۔ "وحی" سے مراد ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اصلاحی عمل ۔ احکام کی شکل ہیں ۔ ایک زائد عمل کی صورت ہیں ۔ ایک فرشتے ۔ جبرائیلؑ کے ذریعہ ۔ بالمشاہدہ نازل کرتا ہے ۔ کہ یہ منتخب فرد (مراقبہ کی شکل ہیں) ایک فرشتے کو اپنے سامنے مشاہدہ کرنا (دیکھنا) ہے ۔ اور وہ فرشتہ اس انسان سے مخاطب ہوکر ۔ وحی الٰہی اِس پر منتقل کرتا ہے ۔ "وحی" کی ترتیب یہ ہوتی ہے ۔ کہ بنیادی طور ۔ نازل کردہ احکام حروف کی شکل ہیں نہیں ہوتے ہیں ۔ بلکہ عالمِ باطن (غیر محسوس عالم) ہیں محض "نور" کی ہیئت میں ہوتے ہیں ۔ جو فرشتہ اٹھائے ہوتا ہے ۔ اور جب یہ فرشتہ آسمان سے نازل ہوکر اس مصطفیٰ انسان کے سامنے آتا ہے ۔ تو یہ انسان فرشتے کا باطنی طور مشاہدہ کرتا ہے ۔ تو فرشتہ یہ مخصوص نور انسان کے قلب (روح رحانی) پر منعکس کرتا ہے ۔ اور یہ "نور" ۔ قلب سے منتقل ہوکر ۔ انسانی دماغ (شعور) پر منعکس ہوتا ہے ۔ اس وقت یہ مصطفیٰ انسان ۔ فرشتے کے منعکس کردہ "نور" کی کیفیت الفاظ کی شکل ہیں محسوس کرتا ہے ۔ اور یہی الفاظ ۔ شعور سے زبان کی طرف منتقل ہوکر ۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ کی شکل میں بیان کرتا ہے ۔ لہٰذا ۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ ترتیب نزولِ نور ۔ ایک علیحدہ حیثیت رکھتی ہے ۔ جس کا ایک فرد مشاہدہ کرتا ہے ۔ یعنی اس عمل ہیں ۔ کیفیات ۔ "کلامِ الٰہی" ہوتے ہیں ۔ اور یہ کیفیات ایک فرشتے کے ذریعہ القا کئے جاتے ہیں ۔ اور کیفیاتِ نوری مخصوص ہوتے ہیں ۔ اس عمل میں ۔ کیفیات ۔ ہدایت سے موسوم ہیں ۔ اور شاہد (مشاہدہ کرنے والا) عام مخلوقِ انسانی میں منتخب فرد ہوتا ہے ۔ جسے ملائکہ کے ذریعہ علم پہنچایا جاتا ہے ۔ اس عمل کے اعتبار سے ایسے فرد کو "رسول" (رَسُوْلًا مِّنْهُمْ) موسوم کیا جاتا ہے ۔ اس حال ہیں ۔ کہ یہ فرد پیدائشی خلیفہ ۔ النبی تصور کیا جاتا ہے ۔ (جانا جاتا ہے) اور "النبی" کے نام سے ہی پہچانا جاتا ہے ۔ جب کہ مخلوقِ انسانی میں بوجہ گمراہی کے ایسے وقت ہیں کسی "النّبی" کا تصوّر موجود نہیں ہوتا ۔ اور یہ ایک بنیادی تصور ہے ۔ کہ ایک "النبی" کو بحیثیتِ رسول ۔ ہدایت کے لیے مامور کیا جاتا ہے ۔ اس مقام پر ۔ پیدائشی اعتبار سے ۔ ایک پیدائشی النبی کی اہمیت "رسول" کی حیثیت سے قائم ہوتی ہے ۔ کہ آئندہ ۔ منصوبہ الٰہی کے مطابق ۔ ایک انسان کو بحیثیت النبی ۔ مخصوص کر کے مخلوقِ انسانی کی راہنمائی (ہدایت) کے لیے مامور کیا جائے گا ۔ تاکہ مخلوقِ انسانی کے اصل

مقصد۔ مشاہدہ اسرارِ الٰہی کو ہر زمانہ میں قائم رکھنے کے لیے۔ ایک النبی کو بحیثیت "رسول" مبعوث کیا جائے۔ اس مقام پر یہ تصور ذہن میں قائم رکھنا ضروری ہے۔ کہ مقامِ رسالت کے لیے منتخب کرنے کے لیے۔ ایک النبی ہی کو منتخب کیا جاتا ہے۔ جو عملِ رسالت کی تکمیل کے لیے منتخب و مخصوص کیا جاتا ہے۔ ایسے رسول کو النبی ہی کی شناخت سے پہچانا جاتا ہے۔ لیکن النبی کی حیثیت میں۔ اس کی صفت معرفت و مشاہدہ اسرارِ الٰہی سے ہی تعبیر ہوتی ہے۔ جس میں۔ کیفیات اور مشاہدہ کی نوعیت۔ علیحدہ ہوتی ہے۔ یعنی مشاہدہ اسرارِ الٰہی کی صفت میں ایک النبی کا تصور ــــ رسول کے تصور کے ساتھ شامل نہیں ہو سکتا۔ جب کہ رسالت میں۔ کیفیت صرف کلامِ الٰہی کا نزول۔ اور مشاہدہ "وحی" (جبرائیل) کے ذریعہ مخصوص (مختصر) انداز میں ہوتا ہے ــــ لہٰذا۔ علم و عمل کے لحاظ سے النبی کو رسول نہیں کہا جا سکتا۔ نہ رسول کو النبی سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

یہی تصور۔ تاریخِ انسانی میں۔ اولادِ آدم کی گمراہی کے موقع پر قائم ہوا۔ کہ اولادِ آدم کی گمراہی پر جب انسان نے۔ رسول کی اطاعت میں نافرمانی کی تو ان کا علم و مشاہدہ بند ہوا۔ تو ایسے موقع پر منصوبہ الٰہی کے تحت۔ ایک انسان کو بحیثیت النبی۔ مشاہدہ اسرارِ الٰہی کے ساتھ مخصوص کو منتخب کر کے۔ بحیثیت رسول مبعوث کیا گیا۔ اور اسی ضابطہ پر ہر زمانہ میں۔ رسول مبعوث ہوتے رہے۔ جنہوں نے احکامِ الٰہی کے نفاذ و اجرا سے۔ مخلوقِ انسانی کو مقامِ خلافت و نبوت تک پہنچایا۔ اسی ضابطہ کے تحت اولادِ آدم میں رسول مبعوث ہوئے۔ اور اسی ضابطہ پر حضرت نوحؑ کو بحیثیت النبی۔ رسول کی حیثیت میں منتخب کیا گیا۔ اور (النّبی) نوحؑ کی حیثیت پہلے رسول کی ہوئی۔ کہ یہ پہلا فردِ انسانی تھا۔ جسے۔ النبی سے علاوہ۔ ایک رسول کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا۔ اس کے بعد قرآنی تاریخ کے حوالے سے مشہور۔ "رسول"۔ یونسؑ۔ لوطؑ۔ اور بہت سے مخصوص "النبی" رسول کی حیثیت سے مبعوث ہوتے رہے۔ اسی سلسلے کی کڑی میں مشہور النبی۔ ابراہیمؑ۔ اسحاقؑ۔ یعقوبؑ۔ یوسفؑ۔ داودؑ۔ سلیمانؑ۔ موسیٰؑ۔ عزیرؑ۔ اور بعض انبیاء۔ جن کا ذکر قرآن میں نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک قرآنی تاریخ سے ثابت ہیں۔ ان کی حیثیت مثال قبل۔ ایک فرد کو مخلوقِ انسانی میں اس وقت منتخب کیا گیا۔ جب مخلوقِ انسانی اپنے اصل مقصد سے غافل و گمراہ ہوئی تو ایسے میں ایک فرد کو النبی (النبی خلیفہ) کی حیثیت میں بحیثیتِ رسول منتخب کیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس سلسلہ کا اختتام حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و

رسالت پر ہوا۔ اس کے علاوہ ۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ۔ حضرت اسحاقؑ کی اولاد اور انبیاء کو انبیائے بنی اسرائیل سے موسوم کیا گیا۔ کہ ان انبیاء کو رسالت کے لئے مخصوص کیا گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو بنی اسماعیل کے لقب سے پکارا گیا۔ جن میں حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے صرف ایک فرد کا انتخاب ہوا۔ جو سید الشئ النبی تھے ۔ اور آپؐ کو بحیثیت رسول منتخب کیا گیا۔ اس حال میں ۔ کہ آپؐ کو مخلوقِ انسانی کی ہدایت کے لیے کتاب وحی کی گئی جو قرآن کے نام سے مشہور ہے۔ گزشتہ انبیاء کو زمانے ۔ وقت کے ساتھ مخصوص ۔ مختصر ۔ قوموں کے لیے ۔ مختصر کتابِ ہدایت دی گئی ۔ اور آخری کتاب انجیل کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی ۔ جو ہدایت قوم بنی اسرائیل کی ہدایت تک محدود رہی۔ اس کے بعد بھی مخلوقِ انسانی کو ہدایت کی ضرورت پیش آئی ۔ جس کے لیے اللہ تعالےٰ نے قوم بنی اسماعیل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو مصطفےٰ کیا ۔ اس لئے کہ آئندہ مخلوقِ انسانی وسیع دنیا میں پھیلی۔ اس کی قومی منفرد حیثیت باقی نہ رہی تھی۔ جس کے لیے ایک عالمگیر کتاب ہدایت کا ہونا ضروری تھا۔ جو تمام مخلوقِ انسانی کی راہنمائی کے لیے ہونا لازمی تھی ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک کتابِ ہدایت "قرآن" کے نام سے نازل کی ۔ اور ایسے عالمگیر علم ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی اس مقام کے اہل تھی ۔ کہ آپ کو مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۔ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ کے خطاب سے پکارا گیا ۔ کہ آئندہ آپؐ کی ذات سے ہی تمام کائناتِ عالم کو ہدایت میسر آسکتی ہے ۔ لہذا ۔ انہی کی ذات سے عملِ رسالت جو اولادِ آدم میں ۔ نوحؑ سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا۔ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس لئے آپؐ نے قرآن کے علم سے مخلوقِ انسانی کی راہنمائی فرمائی ۔ کہ آئندہ مخلوقِ انسانی کی راہنمائی کے لیے ۔ نہ موقع رہا۔ کہ مخلوق ۔ کسی رسول کی ہدایت کی محتاج رہے۔ کہ قرآنی علم ہر زمانہ میں ۔ ہر فردِ انسانی کے لیے علم فراہم کرتا ہے ۔ اور یہ علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی قیامت تک جاری رہے گا ۔ اس حال میں کہ آپؐ کے بعد ۔ یہ مقامِ رسالت آپؐ کے تابعین علمائے امت ۔ ہر فرد کے لیے ۔ ہر زمانہ میں ۔ تاقیام قیامت پورا کرتے رہیں گے۔ گزشتہ زمانوں میں انبیاء مبعوث ہوئے ۔ اور ان کی کتاب ہدایت ایک مختصر قوم اور مختصر وقت تک جاری رہی۔ اس لیے کہ اوّل کتاب ہدایت ایک قوم کے لیے

محدود ہوتی۔ دوسرے ان انبیاء کے تابعین۔ انبیاء کے خلفاءؑ بھی زیادہ زمانہ تک نہ خود مقامِ خلافت پر پورے اُتر سکے۔ نہ مخلوق کے لیے علم فراہم کر سکے۔ کہ زمانہ کے ساتھ مخلوق کے لیے۔ ایک منتخب نبی کو رسول کی حیثیت میں مبعوث کیا جانا لازم ہو جاتا تھا۔۔۔۔ زمانہ آیا۔ کہ زمین کی وسعتوں میں مخلوقِ انسانی پھیلتی گئی۔ جن کی وسعت کے مطابق ان کے لیے ایک عالمگیر کتابِ ہدایت۔ اور ایک عالمگیر رسول کی راہنمائی ضروری ہوئی۔ جس کے بعد کسی کتاب اور النّبی کو ہدایت پہنچانے کے لیے بحیثیت رسول منتخب کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔

قرآنی تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدے کے مطابق (فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى) اس ہدایت کو قرآن کی شکل میں تمام مخلوقِ انسانی کے لیے پیش کیا۔ اور اس کتاب کے اجراء کے لیے۔ ایک النبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو منتخب کر کے آخری رسول کی حیثیت میں مبعوث فرمایا۔ کہ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۳) یعنی مخلوقِ انسانی کے لیے اس کے مقصدِ حصولِ معرفتِ الٰہی (جو انسان کا بنیادی مقصد قرار دیا جاتا ہے۔) اور حصولِ دنیا میں اس کی ہر ضرورت پورا کرنے کی ضمانت اس قرآن کے علم سے دی گئی۔ کہ یہ علم قیامِ قیامت تک مخلوقِ انسانی کی ہر ضرورت پوری کرنے والا ہے۔ اور یہ ضرورت حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی سے میسّر آتی رہے گی۔ کہ آپؐ سلسلۂ رسالت کے خاتم ثابت ہیں۔ کہ آئندہ کسی فردِ انسانی کو بحیثیتِ النّبی رسالت (رسول) کے لیے مصطفےٰ کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اس حال میں۔ کہ آپؐ کے بعد لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ کسی نبی کو رسالت کے لیے منتخب نہیں کیا جائے گا۔ اس مقام پر اس طویل بیان میں دیئے گئے حقائق میں۔ ایک "النّبی"۔ اور الرّسُول کے حقیقی تصور کی وضاحت لازمی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ کا مفہوم کیا ہے؟ جو تصور امتِ مسلمہ میں ایک اہم۔ عقیدہ کی صورت میں۔ فتنہ کا سبب بنا ہے۔

گزشتہ بیان میں قرآنی آیات کے بیّن دلائل میں۔ النّبی کا قرآنی تصور پیش کیا گیا۔ کہ قرآن نے اپنے ابتدائی بیان میں آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي

الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط ملائکہ کے سوال کی صورت میں وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ وَنُقَدِّسُ لَکَ۔ زمین کی پیدائش انسانی میں انسان کو عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ سے نضیلت عطا کی۔ اس فضیلتِ علمی کو قرآن نے۔ اَنْبَاَھُمْ۔ اَنْبِئُوْنِیْ کے تصور کے ساتھ واضح طور ظاہر کیا۔ اس میں شک نہیں کہ قرآنِ عربی۔ اصطلاح قریش میں۔ اس لفظ (نبا) میں "النبی" کا تصور واضح ہے۔ اس حقیقت کے مدِنظر یہ تصور واضح ہے۔ کہ ازروئے قرآن۔ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کا حقیقی مفہوم۔ تصور۔ مخلوقِ ارضی کا ہر فرد۔ النبی کی صفت میں شامل ہوگا۔ لہذا حقیقت (حقیقتِ قرآنی) کو تسلیم کرنے میں ذہن کو فروعی تصورات سے خالی کرکے۔ یہ عقیدہ قبول کرنا۔ لازمی ہے۔ کہ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک کی آخری پیدائش۔ (فرد) پر النبی کی صفت صادق آتی ہے۔ اور اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ النّبی کی خصوصیت عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے علم سے ہے۔ اور قرآنی بیان۔ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰۤؤُلَآءِ کے بیان سے اس امر کی دلیل ملتی ہے۔ کہ اسمار سے مراد۔ معرفتِ اسرارِ الٰہی معرفتِ ذاتِ الٰہی سے سوا کچھ نہیں! —— اسی تصور پر تمام مخلوقِ انسانی النّبی کے تصور میں شامل ہوتی ہے۔

قرآنی تاریخ نے اسی تصوّر "النّبی" پر۔ ہر "النّبی" کا تصور پیش کیا۔ جن میں (خاص کر) انبیاء —— انبیاء بنی اسرائیل کو النبی پکارا۔ کہ ان میں۔ النّبی کے تصور کی پیدائشی (خلیفہ نبی) صفت معرفتِ الٰہی کا ہی اصل تصور پایا جاتا ہے —— اور یہ کہ انبیاء بنی اسرائیل (یا انبیاء) کو خصوصیت صرف اصطفیٰ سے حاصل ہے۔ کہ انہیں وحی (وحی جبرائیل) کے ذریعہ اسی النّبی کی صفت پر مشاہدہ کلامِ الٰہی عطا کیا گیا۔ اس اضافی عمل کی بنا پر۔ انہیں الرّسول پکارا گیا۔ گویا۔ اس مقام پر خصوصیّت نبوت کی نہیں بلکہ "رسالت" کی وجہ سے ہے۔ اور اس مقام پر "خلیفہ نبی" کی خصوصیت کے علاوہ۔ نبوت کا کوئی علم نہیں۔ جس علم کی بنا پر انہیں خصوصیت دی گئی ہو۔ بلکہ ایسے مقام پر اصل تصوّر "رسول" کا قائم ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اسی خصوصیت کے ساتھ واضح ہے۔ کہ آپؐ کے بعد کوئی ایسا فرد جسے معرفتِ الٰہی۔ معرفتِ کائنات حاصل

ہو۔ (اسے بنی پکارا گیا) منتخب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ قرآن کے بعد (عملِ رسالت کے لیے) کوئی ایسی کتاب باقی نہیں۔ جو نازل کی جائے۔ جس کے لیے ایسے نبی کا انتخاب ہو۔ ایسے مقام پر جسے بحیثیت رسول منتخب کیا گیا ہو۔ ایک فرد کے لیے حقیقی تصور النبی قائم نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل تصور الرسول ہی قائم ہوتا ہے۔ جیسے گزشتہ بیان ہوا کہ اصل کیفیت ایک رسول کا مبعوث ہونا ہے۔ صرف اس بعثت (انتخاب) کے لیے۔ ایک پیدائشی نبی کا محض انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی انتخاب کے عمل کی بناء پر۔ ایک النبی کا تصور سامنے لایا جاتا ہے۔ ورنہ خصوصیت۔ ایک رسول ہی کی قائم ہوتی ہے۔ اور جیسا گزشتہ بیان ہوا۔ کہ یہ "عملِ رسالت" حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآنی بیان سے یہ امر واضح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے۔ اس بیان کے مطابق۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى کا اشارہ۔ وحی کلامِ الٰہی کے نزول کی طرف ہے۔ کہ ایک نبی کے ذریعہ۔ کتاب۔ کلامِ الٰہی۔ (جسے هُدًى کہا جاتا ہے)۔ پیش کیا جائے گا۔ اس عمل میں "رسالت" کا تصور واضح ہے۔ جو ہر زمانہ میں۔ ہر قوم میں ایک منتخب النبی کے ذریعہ پیش کیا جاتا رہا۔ اور یہ عمل حضرت نوح علیہ السلام (حضرت آدمؑ سے نہیں) سے شروع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تک تصورِ رسالت کے ساتھ جاری رہا۔

اور جیسا قرآنی بیان سے واضح ہے۔ کہ یہ عملِ رسالت۔ قیامت تک جاری رہنا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیانِ قدسی لَا نَبِيَّ بَعْدِي سے صاف واضح ہے۔ کہ قانونِ قرآنی کے مطابق۔ ایک "خلیفہ نبی" کی حیثیت علیٰ حالہٖ باقی و قائم رہے گی۔ اس لیے کہ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کے بیان کے مطابق۔ انسان قیامت تک خلیفہ کی حیثیت میں پیدا ہوگا۔ اور اس کی خلافت علم الاسماء سے معرفتِ اسرارِ کائنات واضح ہوتی ہے۔ کہ یہ عمل قیامت تک جاری رہنا تخلیقِ الٰہی کے تحت لازم ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملِ رسالت میں ایک نبی کا انتخابِ رسالت ختم ہوگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مخلوق کی ہدایت کے لیے نہ کتاب (هُدًى) مقرر ہے۔ نہ ہی کسی اور رسول کی ضرورت رہے گی۔ لہٰذا ہدایت (رسالت) کے لیے لَا نَبِيَّ بَعْدِي کسی نبی کا بحیثیت رسول مبعوث ہونا۔ لازم نہ ہوگا۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ زمانہ میں ایک النبی کو بحیثیتِ رسول۔ عملِ رسالت۔ (اجرائے کلامِ الٰہی) کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ اور

یہ عمل محض اجرائے الدین۔ یا کلام الٰہی (کتاب) کے اجراء کے لیے ہی مقرر ہے۔ لہذا اس مقام پر حقیقتاً لَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ اصل تصور ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں ایک النّبی کا تصور محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ تصور النّبی کی صفت کے ساتھ نہیں۔ بلکہ النّبی کے عہدۂ رسالت کے تصوّر کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس مقام پر ایک فرد کو مقامِ رسالت پر نہ علم الاسماء دیا جاتا ہے۔ نہ علم الاسماء کے سوا کوئی اور علم یا مقام ہے۔ جس سے کسی فرد کو نبی بنایا جاتا۔ سوائے وحی جبرائیل کے ذریعہ کتاب اللہ کے احکام۔ جس علم کو رسالت (رسول) سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

اس مقام پر۔ النّبی (نبوت) اور "رسول" (رسالت) کی تخصیص میں غلط فہمی سے فتنہ پیدا ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ ان دونوں تصورات پر قرآن کی آیات پر صحیح تحقیق سے حقائق حاصل کرنے میں صحیح تدبر و فہم۔ فقہ کلام کو استعمال نہیں کیا جاتا۔ کہ علمائے اُمّت۔ قرآنی آیات کی روشنی میں۔ نہ النّبی کا حقیقی مفہوم و تصور پا سکے۔ نہ رسول و رسالت کی کیفیت کا اندازہ کر سکے۔ جیسے علمائے امت میں یہ عام۔ غلط العام تصور ہے۔ جیسا کہ اکثر علماء اپنے مواعظ و نقاریر میں۔ اپنے بیان میں دہراتے ہیں۔" کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال بعد نبوت ملی"۔ حالانکہ قرآنی بیان کے مطابق یہ تصور غلط ہے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر۔ وحی جبرائیل کے ذریعہ عمر کے چالیس سال بعد قرآن نازل ہوا۔ جس کے متعلق قرآن نے اس عمل کو عملِ رسالت سے تعبیر دیا۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی ـــــ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ۔ ان آیات میں اصطلاح عربی کے مطابق۔ رسولاً۔ رسول کے لفظ سے ایک رسول اور کتاب کا تصور پیش کیا گیا۔ جس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس سال بعد مقامِ رسالت (مقامِ رسول) ملا۔ مقامِ نبوت کا اس بیان میں تصوّر موجود نہیں۔ اس بنا پر کہ مقامِ رسالت میں مشاہدہ اسرارِ الٰہی ثابت نہیں ہے۔ اس غلط تاویل کی بنا پر "رسالت" (رسول) کو نبوت "بنی" کے مفہوم میں لینا۔ ازروئے قرآن غلط تصوّر ہو سکتا ہے۔ اسی غلط تصوّر کی بنا پر حضورؐ کے فرمان میں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا غلط مفہوم اخذ کیا جاتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ جب کہ قرآن ہدایت کی آخری کتاب ہے۔ لہذا قرآن کے بعد۔ نہ کوئی کتاب (کتابِ ہدایت) اللہ کے نزدیک مقرر (باقی) ہے۔

نہ آئندہ کسی نبی کو رسالت کے لیے منتخب کرنے کی گنجائش ہے۔ اس قرآن کا نزول حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر موقوف ہے۔ اس تصور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِی (لَا رَسُوْلَ بَعْدِی) اس حال میں کہ عرب۔ عربی جاننے والے۔ قرآن سمجھنے والے۔ قرآنی بیان کے مطابق۔ النبی کے مفہوم کو اسی تصور کے ساتھ جانتے تھے۔ کہ النبی سے مراد۔ خبر پانے والا۔ (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے ماخوذ ہے) اور الرّسول اپنا ایک علیحدہ تصور رکھتا ہے۔ جو فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی کے بیان میں۔ کلامِ الٰہی۔ کتاب اللہ کے نزول سے ماخوذ ہے۔ لیکن علمائے امت نے عجمی انداز میں غلط مفہوم دے کر اس تصور کو فتنہ کا سبب بنایا۔ اس قرآنی تصور کی روشنی میں کہ قرآن۔ اپنی عربی۔ اصطلاح قریش کے اندازِ بیان میں۔ عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ کے طریق میں۔ اَنْۢبِئُوْنِیْ۔ اَنْۢبَاَهُمْ۔ کا لفظ پیش کر کے ایک النّبی کا واضح تصوّر پیش کرتا ہے۔ اور الرّسول کے لیے "هُدًی"، کا بیان پیش کرتا ہے۔ اس بیان سے واضح ہے کہ حضورؐ کے بعد عملِ رسالت ختم ہو کر۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کے بیان میں النّبی کا تصوّر قیامت تک باقی رہنے کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ درمیان میں ایک رسول کے اصطفٰے (انتخابِ رسالت) کے موقع پر کسی کو النّبی بنایا نہیں جاتا۔ کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِی سے یہ سمجھا جائے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بعد کسی فرد کا ——— "نبیؔ" ہونے کا۔ دعوےٰ غلط ہے۔ یا کفر ہے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے بعد بیشتر لوگ "النّبی" ہونے کا دعویٰ کریں گے "وہ کذاب ہوں گے"۔ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ جسے بحیثیت رسول منتخب کیا جائے۔

گزشتہ بیان کی روشنی میں اس تصور کی تفصیل مزید بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ جیسا بیان ہوا۔ اس "النبی" کے تصور میں۔ مقامِ رسالت کے لیے۔ ایک (خلیفہ بنی النبی) کے منتخب ہونے والے نبی کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا اختتام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ) پر ہوا۔ کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی رسالت کے لیے منتخب نہیں ہو گا۔ اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ "النبی"، کی صفت خبر دینے والا۔ (اَنْۢبَاَهُمْ) اور خبر پانے والا (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ

یہ صفت معرفتِ اسرارِ الٰہی پانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور رسالت کی صفت ہادی (بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ) سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں اصل تصور "رسالت" کا ہے۔ اور نبوت بہرحال۔ آدم سے لے کر قیامت کے آخری فرد تک جاری رہنا ازروئے قرآن لازمی ہے۔ اور نبوت کا ایک ہی تصور۔ کیفیت واضح ہے۔ کہ خواہ عام مخلوقِ انسانی ہو۔ خواہ ایک منتخب النّبی (رسول) ہو انہیں ایک ہی کیفیت معرفتِ اسرارِ الٰہی حاصل ہے۔ اس کیفیت میں فرق نہیں۔ کہ عام انسان کو کسی ایک کیفیت کا مشاہدہ ہو۔ اور "نبی" کو کسی دوسری کیفیت کا مشاہدہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین۔ قرآنِ عربی کی فہم رکھتے تھے۔ اس لئے یہ مفہوم النّبی۔ الرّسول (نبوت و رسالت) کا سمجھنا ان کے لیے آسان تھا۔ اسی فہم (تفسیر) کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ہے۔ کہ آپ خود "النّبی" ہیں۔ اور رسول بھی ہیں۔ ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حقیقتاً عملِ رسالت ختم ہوا۔ اور صفت خلیفہ۔ مشاہدہ اسرارِ الٰہی ہر فردِ انسانی کے لیے جاری رہے گا۔ اب لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی صورت یہ ہوئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپؐ پر نازل ہوئی کتاب (قرآن) بھی قیامت تک باقی رہے گی۔ اس حال میں کہ مخلوقِ انسانی کی ہدایت کے لیے کسی کتاب کے نازل ہونے کی نہ گنجائش ہے۔ نہ ضرورت۔ جب کتاب کی ضرورت پیش نہ آئی۔ تو اس کے اجراء (تبلیغ) کے لیے (لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ) کسی نبی کے اصطفیٰ (انتخاب) کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اب اس کے بعد کوئی فرد۔ دعوئے "النّبی" کرے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق۔ ایسے نبی کے منتخب ہونے کی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کے بعد کسی ہدایت (کتاب) کی ضرورت باقی نہ رہی۔ گویا یہ اعلان خلافِ سنت (ارشاد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ البتہ نبوتِ خلیفہ کے اعلان کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ کہ ہر فرد پیدائشی نبی ہوتا ہے۔ کہ اسے معرفتِ اسرارِ الٰہی۔ معرفتِ ذاتِ الٰہی حاصل ہو۔ یہ درست ہے۔ لیکن کسی فرد کا اعلانِ نبوت کرنا۔ سوائے اس کے نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک منتخب النّبی ہونے کا دعوئے کرتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی۔ کہ یہ شخص۔ بہ تمامِ کامل۔ قرآن و حدیث

کا بدرجہ اولیٰ عالم ہو۔ اسی حیثیت میں بدرجہ اولیٰ قرآن وحدیث پر عامل ہو۔ اور اعلانِ نبوت کے لیے۔ بدرجہ اولیٰ۔ مشاہدہ اسرارِ الٰہی۔ مشاہدہ ذاتِ الٰہی حاصل کئے ہو۔ ان صفات میں خصوصیت۔ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی ہی کو ہے۔ کہ ہر رسول اپنی صداقت کی دلیل نبوت سے دیتا ہے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِب۔ ہم پر کتاب (قرآن) نازل ہے۔ جس کی تصدیق اَنَا النَّبِیُّ سے ہے کہ ہمیں تمام اسرارِ کائنات کا عرفان حاصل ہے۔ جس اساس پر ہم مخلوقِ انسانی کی راہنمائی۔ اور ہدایت کے لئے رسول کی حیثیت سے مامور کئے گئے۔ لہٰذا اگر کسی نے نبوت (نبی ورسول ہونے) کا دعوےٰ کیا۔ تو وہ جھوٹا ہے۔ اس لیئے کہ حضورؐ کے بعد۔ جب کوئی کتاب۔ منتخب نہیں۔ تو فطرۃً کسی نبی کا انتخاب بھی نہیں ہوسکتا۔ دوسرے ایک نبی کے لیے مشاہدہ اسرارِ کائنات اور مشاہدہ ذاتِ الٰہی لازم ہے۔ اگر اسے مشاہدہِ اسرارِ کائنات حاصل نہیں۔ تو جھوٹا (کذاب) ہے۔ جھوٹا اعلان کررہا ہے۔ کہ مجھے اسرارِ کائنات کا مشاہدہ حاصل ہے۔ ایسے شخص کی پیروی (کفر نہیں) گمراہی ہے۔ کہ وہ حقیقت کو نہ پا سکے گا۔ چونکہ انسان کی پیدائشی خلافت (نبوت) انسان کو ہر حال میں حاصل ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان۔ اس نبوت کے متعلق نہیں۔ اس لئے کہ اس نبوت کا انسانی پیدائش کے ساتھ جاری رہنا ایک فطری حقیقت ہے۔ ایسی نبوت کا اظہار کرنا از روئے قرآن ناجائز یا کفر نہیں۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (بَعْدِی) قرآنی بیان کی روشنی میں۔ (هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ) حضورؐ کی ہدایت وراہنمائی اور اطاعت میں بھی تابعینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی معرفت حاصل ہوگی۔ جس میں معرفتِ اسرارِ کائنات اور معرفتِ ذاتِ الٰہی حاصل ہوگی۔ یہ بھی وہی کیفیت وعمل ہے۔ جس میں اَسْمَآءَ كُلَّهَا کا علم ومشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم امت وعلمائے امت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثہ میں ملتا ہے۔ یہ عمل بھی "نبوت" سے موسوم ہے۔ تعبیر ہے۔ کہ حضورؐ کی امت کے علماء کو یہ مقام نبوت حاصل ہوگا۔ اس عمل کو اصطلاحِ شریعت میں "طریقت" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی عمل کی نسبت سے ایسے عالم کو ولی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لَا نَبِیَّ بَعْدِی کے بعد۔ النّبی کا لقب متروک کیا جاتا ہے۔ حقیقت النّبی کا تصور ہر حال قائم

رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپؐ کا علم و عمل۔ (عمل فَانفِلَةً لَّكَ) ہمیشہ علمائے امت کے ذریعہ قائم رہے گا۔ جس میں امت کو اسرارِ کائنات۔ اسرارِ الٰہی اَلْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کا مشاہدہ حاصل ہوگا۔ جن میں علمائے امت اس صفت کا اظہار۔ مظاہرہ طریقت و معرفت کی صورت میں کریں گے۔ ان کا عمل۔ مشاہدہ اسرارِ کائنات۔ کی صورت میں بحیثیت ولی۔ کامل۔ اکمل۔ دعویٰ کرنا ضروری ہے۔ کہ ایک ولی کے لیے۔ اجرائے قرآن و سنت۔ اور عملِ نبوت کا اجراء کرنا ضروری ہے۔ اس مقام پر بھی۔ ایک ولی اکمل کے لیے "النبی" کا تصور (بوجہ مشاہدہ اسرارِ کائنات) قائم رہنا خلافِ شریعت نہیں۔ البتہ اس مقام پر بھی۔ "حق" اور کذب کا تصور سامنے آتا ہے۔ کہ ایک ولی اکمل۔ صاحب قرآن۔ صاحبِ کمال۔ صاحبِ مشاہدہ و معرفت ان خصوصیات کے ساتھ دعوےٰ کر سکتا ہے۔ بصورت دیگر اگر ولایت اور معرفت کا علم و کمال حاصل نہ ہو۔ بغیر خصوصیت دعوےٰ کرے۔ تو۔ خواہ النبی ہونے کا دعوےٰ کرے۔ خواہ ولی ہونے کا دعوےٰ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کذاب ہوگا۔ جو امت کو گمراہ کرنے کا سبب ہوگا۔ حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں حقیقت کی نفی نہیں۔ بلکہ خصوصیات نبوت۔ یا ولایت میں "کذاب" ہونے کا فتویٰ ہے۔ اس حال میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین و رسالت و نبوت کی اشاعت و اجراء میں۔ دونوں کیفیتوں کا قیامت تک جاری رہنا۔ قائم رہنا مقام محمود کے فرمان کے مطابق از روئے قرآن لازمی ہے۔

یہاں اس امر کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ مشاہدہ اسرارِ کائنات میں کیا کیفیات۔ مشاہدہ میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی علم الاسماء۔ کن کیفیات سے تعبیر ہے۔ اس کی وضاحت علمائے اسلام ــــ اولیائے کاملین نے اپنے ملفوظات[1] میں کی ہے۔ کہ اسرارِ کائنات کی ابتداء۔ پہلا زینہ۔ عالمِ انسانی (یعنی زمین) سے ہوتی ہے۔ جیسے قرآن نے اس کیفیت کی طرف اشارہ دیا ہے۔ کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اگر اللہ کی ذات کی پہچان کرنی ہے تو اس کی ابتداء وَالْاَرْضِ سے ہوتی ہے۔ جہاں عالمِ انسانی کی پہچان کرنی ہے۔ عالمِ انسانی کو عالم الناس سے بھی تعبیر دیا جاتا ہے۔ اصطلاح طریقِ مشاہدہ (طریقت) میں اس عالم کو عالمِ ناسوت

---

[1] اس کی تفصیل کتاب "حقیقت تصوف" مرتبہ سلسلہ اویسیہ میں وضاحت سے پیش کی گئی ہے۔

سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ اسرارِ کائنات کا پہلا زینہ ہے۔ جہاں سے معرفتِ ذاتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ عالم ایک ناری کیفیت سے تشبیہ ہے۔ جو باطنی طور (روح سے) مشاہدہ کی جاتی ہے۔ جس میں آثارِ ارضی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسرارِ کائنات نوری ہیئت میں واقع ہیں۔ جن میں یہ مقام نوری ہیئت میں واقع ہے۔ جو نُورُ السَّمٰوٰتِ میں شامل ہے۔ یہ عالم۔ ملائکہ کا مسکن ہے۔ اس لئے اس عالم کو عالمِ ملکوت سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نور السمٰوٰت سے ماورائی ہر عالم نوری ہیئت رکھتا ہے۔ یہی عالم اسرارِ کائنات سے تعبیر ہیں جو ذاتِ الٰہی کے "نور" تک وسیع ہیں۔ انہی عالموں تک روحانی رسائی اور مشاہدہ حاصل ہونا النبوت کی تعریف میں آتا ہے۔ جسے مشاہدۂ روحی سے۔ حاصل کیا جاتا ہے۔ اصولی طور اگر ایک فرد پیدائشی نبی کی صفت رکھتا ہو۔ تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق دعوئے نبوت کا مجاز نہیں۔ گویا وہ جھوٹ (کذب) کہتا ہے۔ دوسری صورت میں اگر ایک فرد خصوصیت النبوت مشاہدہ اسرارِ کائنات سے متصف نہ ہو۔ اور دعوے کرتا ہو۔ کہ مجھے مشاہدہ اسرارِ الٰہی میسر ہے۔ تو ایسا شخص جاہل۔ مکار۔ مفتن قرار دیا جاتا ہے۔ کہ (ایک کیفیت یہ کہ) ایسے شخص کو عالمِ ناسوت کے آثار کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ حقیقتاً عالمِ ناسوت۔ ایسا مقام ہے۔ جو بلا تمیز دین ہر مسلم۔ غیر مسلم۔ کافر تک کو بھی۔ حاصل ہوتا ہے۔ اس میں بھی عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ لیکن اس عالم کے مشاہدہ سے ایک فرد النبی نہیں ہو سکتا۔ تو انسان بغیر علم ایسے عجائبات کے مشاہدہ سے خود کو النبی (ولی) سمجھنے لگتا ہے۔ اور جہالت کی بناء پر النبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ ایسے شخص کو کسی نبی۔ کسی ہادی۔ کسی رسول کی راہنمائی حاصل نہیں ہوتی۔ ایسا شخص ذاتی تاویلات پر۔ غلط مشاہدات کو حقیقی سمجھ کر خود کو ولی۔ یا نبی سمجھتا ہے۔ تو ایسا فرد نبوت کا دعوے کرنے والا مفتن کہلاتا ہے۔ کہ اس کے علم۔ اس کے عمل۔ اس کی راہنمائی سے۔ گمراہی۔ حقیقت سے دوری۔ اور فتنہ۔ اور دین میں۔ افتراق و انتشار پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی شخص کی جو خصوصیاتِ ولایت و نبوت کا حامل نہ ہو۔ عالم ناسوت کی چند کیفیات کا مشاہدہ رکھنے پر دعوے نبوت کرنے والے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی۔ فرمائی ہے۔ بسبب اس کی کذب بیانی کے اس حال میں۔ کہ حقیقت سے انکار نہیں۔ ایسے فرد کی اطاعت۔ تقلید۔ اکثر جاہل لوگ۔ یا ذاتی اغراض۔ کے حصول کی خاطر عمل کرنے والے۔ اور خاص دنیا پرست۔ ناجائز حصول کے خواہش مند کرتے ہیں۔ یہی فرقہ

دین و ملک میں فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی مقام پر۔ مقامِ النبوت۔ اور مقامِ رسالت کے حصول میں ایک انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی عمل۔ یہی علم حقیقی۔ مقامِ نبوت۔ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی حاصل ہونے ہیں۔ النبی۔ النبوت کے غلط مفہوم۔ غلط تصور پیدا ہونے سے دین میں فتنہ کا سبب ہو جاتا ہے۔ مخلوقِ انسانی۔ بوجہ علم نہ ہونے کے کسی شخص کی چند کرامات و کشف کے مظاہرہ کو حقیقت سمجھ کر اس کی اطاعت کرنے پر بضد ہو کر۔ دین میں انتشار و رخنہ کا سبب بن جاتی ہے۔

گزشتہ زمانہ میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے (لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ) فرمان کے مطابق۔ اسی انداز سے۔ بعض نے النبی ہونے کا دعوے کیا۔ تو ایسے افراد کی تکذیب حقیقتاً ہمارے اس بیان کے تصور پر کی گئی۔ اسی تصور پر ایسے لوگوں کو "کذاب" کہا گیا۔ ایسے لوگوں نے اپنے اعلانِ نبوت کو قائم کرنے میں فتنہ و خونریزی اختیار کی۔ ایسے لوگ بزعمِ خود اپنے آپ کو حقیقی دینِ اسلام کے اطاعت گزار سمجھ کر خود کو صاحبِ ایمان سمجھتے تھے۔

ہندوستان میں برطانوی دورِ حکومت میں۔ مرزا غلام احمد نے بھی "النبی" ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہاں اس مذہب کے عقیدہ "النبوت" کا گزشتہ بیان کئے گئے حقائق کی روشنی میں تجزیہ کیا جاتا ہے۔ غلام احمد۔ ان کا نام۔ اور قوم۔ مرزا (مغل) سے ہوئے۔ ان کی علمی حیثیت اور دعوئے نبوت کرنے سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ علمی حیثیت میں۔ ذہن رسا تھا مگر علم میں اتنے کامل نہ تھے۔ جتنا ایک فرد کو نبوت کا دعوے کرنے میں کامل ہونا چاہیئے۔ اسی طرح روحانی حیثیت میں۔ جیسا عام انسان میں بھی۔ کشفی قوت سے۔ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ کامل قوت پائی نہ جاتی تھی۔ اس حال میں۔ کہ ان میں کشف و مشاہدہ کی معمولی قوت پائی جاتی تھی۔ جس قوت پر آپ نے روحانی علم نہ ہونے کی بناء پر غلط فہمی سے خود کو۔ "صاحبِ مشاہدہ" النبی سمجھا۔ بات سیدھی یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنے مشاہدہ کی صفت پر ہی۔ خود کو نبی گردانا۔ لیکن چونکہ النبی کی خصوصیت ہے)۔ ایک النبی کو معرفتِ اسرارِ کائنات اور مشاہدہ ذاتِ الٰہی کی صفت سے اکمل ہونا چاہیئے۔ جب کہ انہیں عالم ناسوت کے ابتدائی آثار کا مشاہدہ ہوا۔ اس حال میں کہ انہیں۔ کسی "نبی"، ولی اکمل کی راہنمائی میسر نہ تھی۔ ایسی صورت میں۔ انہیں جو کچھ مشاہدات ہوتے رہے۔ وہ عام کیفیات تھیں۔ جن کی ذاتی تاویل سے۔ (محض علمِ نبوت سے لاعلمی کی بناء پر) خود کو النبی تصور کرنے لگے۔ اور اس صفت کا برملا اظہار کیا۔

برملا اعلانِ نبوت کرنے میں علمائے اسلام نے۔ محض فرمانِ رسولؐ کے مطابق۔ اس اعلان کو ردّ کرتے ہوئے۔ مرزا غلام احمد کے اعلانِ نبوت کی مخالفت کی۔ درحقیقت علمائے اسلام کی مخالفت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے ارشاد پر تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی رسول و النبی کے مبعوث ہونے کی گنجائش نہیں۔ لیکن اصل یہ کہ علمائے امت خود النّبی کے مقام و صفت کا۔ قرآنی اصول کے مطابق علم نہ رکھتے تھے۔ کہ قرآنی مفہوم میں النّبی کے معنی معرفتِ اسرارِ کائنات اور معرفتِ ذاتِ الٰہی سے شاہد و آگاہ ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ علمائے اسلام نے۔ ایک رسول کی حیثیت سے اشاعت دین۔ اور اجرائے قرآن و سنت کے عمل کے تصور پر ایک نبی کا تصور قائم کیا۔ اس کے برعکس مرزا غلام احمد نے قرآنی مفہوم کے مطابق۔ معمولی مشاہدہ ہونے کی صفت پر خود کو "نبی" کہلایا۔ جو کسی حد تک درست نظریہ تھا۔ سوائے اس کے کہ خود مرزا غلام احمد۔ اس قرآنی بیان کے مطابق۔ کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے مفہوم میں۔ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ۔ اسرارِ کائنات اور مشاہدہ ذاتِ الٰہی کی صفت پر ایک فرد کو "النّبی" تصور کیا جاتا ہے۔ لاعلم تھا۔ البتہ اس کے اعلان کی بنیاد۔ اسی اصول اور اسی نظریہ پر تھی۔ کہ مشاہدہ کرنے والا النّبی کہلاتا ہے۔ لہٰذا قرآنی حقائق کی روشنی میں۔ قرآن سے النّبی کا مفہوم۔ اور تعریف سے لاعلمی کی بنا پر غلط مفروضہ پر علماءِ اسلام۔ اور غلام احمد کے نظریہ اعلانِ نبوت پر اختلاف نے شدت اختیار کی۔ اس شدّت کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ علمائے اسلام نے۔ مرزا غلام احمد کے۔ قرآنی مفہوم کے خلاف۔ اور سنتِ نبوی کے فرمان کے خلاف اس مفروضہ پر بضد ہو کر اپنے اعلان پر قائم رہنے کی بنا پر۔ اپنی مخالفت میں شدت اختیار کی۔ جب کہ علمائے اسلام کے دلائل۔ قرآنی بیان سے ہٹ کر کامل دلائل کے ساتھ پیش نہیں کئے جاتے تھے۔ کہ وہ النّبی۔ اور رسول میں فرق کو نہ سمجھتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ پیش کی جاتی ہے۔ کہ حقیقتاً جامع ازہر کے اعلیٰ دار العلوم سے لے کر۔ پاکستان کے دار العلوم۔ اور مفکرین۔ محققین و مفسرین کے مواعظ۔ اشاعتِ دین میں۔ یہ بیان قابلِ فکر ہے۔ کہ — "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال بعد نبوت ملی۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت پر" — یہ تصور حقیقتاً قرآنی بیان کے مطابق درست نہیں۔ کہ النبوت۔ اور رسالت کے تصور کا قرآنی بیان کے مطابق فرق ظاہر نہیں کیا گیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال بعد مقامِ رسالت عطا ہوا۔ اس حال میں۔ کہ النبوت میں (جب کہ نبوت کی صفت میں معرفتِ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ ذات الٰہی کا واضح اور منفرد تصور قائم ہوتا ہے) رسالت (نزولِ قرآن) کا تصور قائم نہیں۔ اس امر سے واضح ہو سکتا ہے۔ کہ علمائے اسلام کو

ابھی النبوت اور رسالت کا حقیقی مفہوم۔ اور حقیقی تصور حاصل نہیں۔ حقیقت میں۔ اس حقیقت سے لاعلمی فریقین کے درمیان وجہ فساد ہے۔ کہ ہر دو فریق اپنے دلائل سے ایک دوسرے کو قائل نہ کر سکے۔ اور اس مباحثہ اور مناظرہ میں فریقین کی "انا" بھی ایک دوسرے کے دلائل قبول کرنے میں حائل ہوئی۔ ظاہر ہے۔ کسی مباحثہ میں۔ مناظرہ کی صورت میں۔ حقائق قبول و تسلیم کرنے میں۔ محض "انا"۔ کے جذبہ پر (کہ ایک دوسرے کے آگے خم کرنے میں سبکی ہوتی ہے) یہ مناظرہ مباحثہ جنگ و جدل کی صورت اختیار کر گیا۔ ظاہر ہے۔ جب کسی مسئلہ میں۔ "انا" کے جذبہ کے تحت مناظرہ پیدا ہو۔ تو جذباتی حالت میں۔ مجادلہ۔ اخلاقی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ یہی صورت علمائے اسلام۔ اور جماعتِ احمدیہ کے درمیان پیدا ہوئی۔ جب کہ مرزا غلام احمد کے اس عقیدہ کو ہندوستان کے بیشتر مسلمانوں نے قبول و تسلیم کیا۔ اس حال میں کہ اس جماعت میں مسلمانوں کے بیشتر علماء بھی شامل ہو گئے۔ اور اس فرقہ نے ایک وسیع ہیئت اختیار کی۔ چونکہ یہ مسئلہ دینی نوعیت کا تھا۔ اس لئے حکومتِ انگریز کی طرف سے اس مسئلہ پر فریقین کے مابین تصادم میں کوئی مداخلت نہ ہوئی۔ سوائے اس کے کہ ہر دو فریقین ایک دوسرے فریق کو قوت سے مغلوب کرنے کی کوشش میں۔ ایک جماعتِ مسلم منتشر ہو کر ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ ایسے موقع پر انگریز شاطر کو موقع ملا۔ کہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں عداوت و دشمنی کو ہوا دے کر انہیں آپس میں اس حد تک دشمن بنا دیں کہ اس دینی مسئلہ۔ اختلافِ عقائد پر ان میں انتشار پیدا ہو کر آپس میں دست و گریباں ہو جائیں۔ اس حال میں کہ فریق انگریز کی اس منافقانہ چال کو سمجھ نہ سکیں۔

علمائے اسلام اکثریت کی وجہ سے چونکہ غالب حیثیت رکھتے تھے۔ انگریز نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر۔ جماعتِ احمدیہ کی حمایت کر کے اندرون اس جماعت کو مسلمانوں کے خلاف کھڑا کیا۔ اس کے ساتھ ہی جماعتِ احمدیہ نے انگریزوں کی حمایت غنیمت جان کر اپنی قوت غالب کر کے۔ کافی قوت حاصل کر لی۔ اس لئے کہ علمائے امت بجائے اس کے حسنِ اخلاق کے ساتھ قرآنی علم پر بحث و تمحیص سے انہیں حقیقت کا قائل کرتے۔ انہوں نے طاقت کے دباؤ سے انہیں مغلوب کرنے کی کوشش کی۔ جس کے لیے مرزائیوں کو مجبوراً انگریزوں کی مدد قبول کرنا پڑی۔ اس دوران جماعتِ احمدیہ نے علمائے اسلام سے علیحدگی

اختیار کر کے۔ اپنی ایک پختہ جماعت قائم کی۔ لہذا احمدی جماعت کے مسر مرزائی کہلانے لگے۔ مرزائی جماعت کے علماء نے قرآن حکیم کو ہی اپنا حکم بنا کر اس کی آیات میں غلط تاویلیں شروع کیں۔ جو اکثر مرزا غلام احمد کے مکاشفات کے ذریعہ اختراع کی گئیں۔ اس طرح جماعت احمدیہ نے اپنا دین مستحکم کر کے مسلمانوں کے عقائد کے خلاف اپنے اختراعی عقیدوں کو ایک علیحدہ دین کی شکل دے کر اپنی علیحدہ حیثیت قائم کی۔ اسی طرح علمائے اسلام نے احمدیوں کے خلاف محاذ بنا کر ان کے عقائد کی تکذیب کی۔ جس کے نتیجہ میں۔ یہ جماعت مسلمانوں کے خلاف۔ انگریزوں کی حمایت سے مقابل ہوئی۔ جس کا نتیجہ بالآخر دو فریق مخالف کی صورت میں باہمی بغض و عناد بڑھتا گیا۔ اور آخر علمائے اسلام نے اسلامی حکومت (حکومتِ پاکستان) کے غلبہ سے ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے عہدِ وزارت میں۔ جماعتِ احمدیہ کو اسمبلی کے ذریعہ کافر قرار دے کر خارج از اسلام قرار دیا۔ جب کہ از روئے اسلام اسمبلی کے ذریعہ کسی کو کافر قرار دینا۔ جائز نہیں ہو سکتا۔ جب کہ جماعتِ احمدیہ۔ خود کو سچا مسلمان تصور کرتے ہیں۔ (یہ جماعت خود کو اس حال میں بھی سچا مسلمان تصور کرتی ہے)۔ صدقِ نیت سے۔ کلمہ پڑھتے ہیں۔ ارکانِ اسلام۔ ارکانِ ایمان پر پورا عقیدہ رکھتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ روزہ اسلامی عقیدہ کے ساتھ رکھتے ہیں۔ درود پڑھتے ہیں۔ اس حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو خاتم النبیین۔ آخری نبی۔ آخری رسول تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن قرآنی بیان کے مطابق ان کا عقیدہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسالت منقطع ہوتی ہے۔ نبوت علیٰ حالہٖ جاری رہے گی۔ اس حال میں کہ یہ لوگ نبوت کے قرآنی بیان کے مطابق۔ نبی کو پیشگوئی[1] کرنے والا (صاحبِ مشاہدہ) نبی کے تصور کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات ان کے علم میں بھی نہیں۔ کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں اصل تصور رسالت کا ہے۔ اور نبی کا اصل مفہوم معرفتِ اسرارِ الٰہی کا شاہد ہے نہ کہ ناسوتی مشاہدہ۔ اس کے علاوہ تمام ارکان ایمان و اسلام پر ان کا علم و عمل قائم ہے۔ لیکن علمائے اسلام کو بلکہ تمام اہلِ اسلام کو دشمنی کے جذبہ کے تحت یہ جماعت خود مسلمانوں کو کافر کہتی ہے۔ کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی نہیں ملتے۔ یہ امر مشکل ہے کہ جب علمائے اسلام اس عقیدے پر قائم ہیں۔ کہ لَا نَبِیَّ

---

[1] النبی۔ خبر پانے والا۔ خبر دینے والا کے مفہوم پر پیش گوئی کرنے والے کو نبی کہا گیا۔ جب کہ النبی کی معرفت اسرارِ الٰہی۔ میں کشف ایک ادنیٰ کیفیت تصور کی جاتی ہے۔

بَعْدِی کے ارشاد کے مطابق مرزا غلام احمد نبی نہیں ہو سکتا۔ جماعتِ اسلامی کے اس عقیدے کے ساتھ دیگر عقائد جو جماعتِ احمدیہ میں اختراع کئے گئے۔ انہی عقائد کی بنا پر جماعتِ احمدیہ کو کافر قرار دیا گیا۔ جو کہ حق ہے۔ کسی حد تک یہ اختلاف درست ہے۔ کہ علمائے جماعتِ احمدیہ نے جو عقائد۔ بشمول عقائد مرزا غلام احمد کے ایسے واقعات پیش کئے جو خود اسلامی ضابطہ و عقائد کے مطابق فاسقانہ قابل مواخذہ وارتداد ہیں۔ جن عقائد کی بناء پر جماعت احمدیہ (محض غلام احمد کے النبی ہونے کے نہیں) بلکہ اس جماعت کے خلافِ قرآن وحدیث عقائد۔ اور غلام احمد کے اختراع کئے گئے عقائد جو نہ قرآنی آیات سے ہیں۔ نہ حدیث سے ہیں۔ بلکہ علمِ طریقت (علمہ الاسماء کی روشنی میں) کے بھی خلاف ہیں۔ اس جماعت کو خارج از اسلام قرار دیا جاتا ہے۔

جہاں تک جماعتِ احمدیہ (مرزائی جماعت) کا عقیدہ۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِی کے فرمان سے ماسویٰ۔ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "نبی" ہو سکتا ہے۔ وہ اسی صورت میں۔ ایک پیدائشی انسان پر۔ خلیفہ فِی الْاَرْضِ کے تصور کے ساتھ "لفظ نبی" کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآنی بیان اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے مفہوم میں ہر انسان بحیثیتِ خلیفہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی خلیفہ کے متعلق قرآنی بیان سے خود خلیفہ فی الارض کے معنی "النبی" ثابت ہوتا ہے۔ دوسرا تصور ایک رسول کے مبعوث ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان لَا نَبِیَّ بَعْدِی کے مطابق ایک رسول کی حیثیت میں۔ دراصل اُسی النبی کا تصور شامل ہے۔ جو اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں پایا جاتا ہے۔ اس تصوّر میں ایک النبی کے تصور میں۔ لاعلمی۔ اور کم فہمی کی وجہ سے۔ اس فرمان کی حقیقت کو نہ سمجھا گیا۔ کہ یہاں پیدائشی نبی کا تصور پایا جاتا ہے۔ اس حال میں کہ اس نبی کو الرّسول کا خطاب حاصل ہوتا ہے۔ جو کہ ایک زائد خصوصیت۔ الرّسول کے تصور کے ساتھ محسوس کی جاتی ہے۔ جو کہ الرسالت (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ) لَا رَسُوْلَ بَعْدِی کی صورت میں پیش آتی ہے۔ لیکن جہاں تک لَا نَبِیَّ بَعْدِی کا تصور ہے۔ یہ تصور الرسالت کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ اس صورت میں۔ کہ ہر نبی کا تقرر۔ ایک فردِ انسانی کو مقام خلافت (خلیفہ) پر پہنچانے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جس کے لیے ایک نبی کی وفات کے بعد نبی کا متعین کردہ خلیفہ "خلیفۃ الرّسول" کی حیثیت میں۔ الرّسول کا مشن (تبلیغ و ارشاد —

اور یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ کا عمل) پورا کرتا ہے۔ اسے ایک طرف پیدائشی نبی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کہ وہ خلیفہ النبی کی حیثیت سے مخلوقِ انسانی کا تزکیہ کرکے (دونوں صورتوں میں۔ نبی کی حیثیت سے بھی رسول کی حیثیت سے بھی) ایک انسان کو مقامِ خلافت پر پہنچا کر معرفتِ اسرارِ کائنات عطا کرے گا۔ یہی فرد ہے۔ جس کے متعلق یہ تصور پیدا ہوتا ہے۔ "کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کہ ایسا فرد خلیفہ نبی کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ اس حیثیت میں وحی جبرائیل اور نزولِ کتاب کا عمل شامل نہیں۔ بلکہ مشاہدہ و معرفت کا عمل شامل ہے اسی اعتبار سے جب زمانہ میں مخلوق انسانی گمراہی اور نافرمانی کی وجہ سے مقامِ خلیفہ سے گر کر ذلیل ہو جاتی ہے۔ تو ایک رسول کے بعد ایک فرد نبی کی حیثیت سے قائم مقام رسول بحیثیت "نبی" متعین ہوتا ہے۔ یعنی معرفتِ اسرارِ الٰہی کی خصوصیت پر ایسا فرد النبی کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مصطفٰے (منتخب) نبی کی خصوصیت مشاہدہ اسرارِ الٰہی پر ہے۔ اور خلیفۃ الرسول بھی اسی خصوصیتِ مشاہدہ اسرارِ الٰہی سے خلیفۃ الرسول (بمثلِ الرسول) کہلاتا ہے۔ اس مقام پر۔ ہر دو مقامات پر مشاہدہ اسرارِ الٰہی کی ہیئت و کیفیت ایک ہی ہے۔ جس کیفیت پر ایک فرد کو النبی تصور کیا جاتا ہے۔ وہی علم خلیفۃ الرسول (رسول کے بعد قائم مقام) کو حاصل ہوتا۔ ایسا نہیں کہ نبی کے لیے معرفت کا علم علیحدہ ہے۔ اور خلیفۃ الرسول کا علم علیحدہ ہے۔ نہیں! اور یہ فرق لازمی پایا جاتا ہے۔ "النبی رسول" کو فطری تخلیق کے مطابق اللہ تعالیٰ سے۔ استعانت اور فیض حاصل ہوتا ہے۔ اور "خلیفہ رسول" کو ایک النبی و رسول سے استعانت (توجہ۔ تزکیہ) اور توجہ حاصل ہوتی ہے۔ جس میں علمِ نبوت (مشاہدہ اسرارِ الٰہی) کی کیفیت ایک ہی (یکساں) ہوتی ہے۔ یعنی ایک پیدائشی انسان کو۔ پیدائشی خلیفہ کی حیثیت سے مشاہدہ اسرارِ کائنات حاصل ہوتا ہے۔ وہی علم خلیفہ الرسول کو۔ پیدائشی خلیفہ کی حیثیت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں حصولِ علم میں تفاوت نہیں۔ ایسا فرد۔ رسول کے بعد۔ (بحیثیت قائم مقام رسول) خلیفۃ الرسول کی حیثیت میں۔ رسول کا مشن اجرائے قرآن و حدیث کا عمل پورا کرتا ہے۔ حقیقتاً ایسا فرد۔ (خلیفۃ الرسول) قرآن و حدیث (صدّیؓ) کا ہی عمل پورا کرتا ہے۔ لیکن رسول نہیں کہلاتا۔ کہ اس پر براہ راست وحی جبرائیل (کتاب) نازل نہیں ہوتی۔ بلکہ رسول پر نازل ہوئی کتاب کا اجرا کرتا ہے۔ البتہ تصور "نبوت" میں۔ ایک ہی علم "معرفتِ اسرارِ الٰہی" اس متعین کردہ خلیفۃ الرسول کے ذریعہ ہوتا ہے۔ کہ وہ بعد از رسول۔ رسول کی وراثت علمِ قرآن

کے اجراء (یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ) کے ساتھ۔ وَیُزَکِّیْهِمْ طریقِ طریقت کے ضابطہ کے مطابق ایک انسان کا تزکیہ کر کے اسے اسرارِ کائنات کا مشاہدہ عطا کرتا ہے۔ اس عمل میں ہر مقام پر۔ آدم سے لے کر ایک نبی پر رسول۔ اور خلیفۃ الرسول تک علم و عمل۔ (مشاہدہ اسرارِ کائنات) ایک ہی کیفیت و اندازہ کا ہوتا ہے۔ اسی تصور پر ایک رسول کے بعد۔ جب کہ اس کے علم و عمل میں طریق و انداز ایک ہی کیفیت کا ہوتا ہے۔ اسی حیثیت میں۔ ایک رسول کے بعد

۱؎ اصل بات جس پر علمائے اسلام نے تجسس نہیں کیا کہ النبی یعنی "نبی" کا اصل تصور قرآنی آیات کے بیان سے حاصل کیا جائے۔ جیسے آج تک قرآن میں بیان کی گئی آیات سے "النبی" کا تصور حاصل نہیں کیا گیا۔ یا النبی کے تصور کو اس قرآنی آیت اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً سے نہیں لیا گیا۔ جب کہ ظاہراً ان آیات میں "النبی" کا تصور سامنے نہیں آتا۔ دوسرے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کی آیت میں اَسْمَآءَ كُلَّهَا کو۔ معرفتِ الٰہی۔ یا اسرارِ کائنات کے مشاہدہ میں پیش نہیں کیا گیا۔ اس حال میں کہ بقول علمائے اسلام۔ مفسرین۔ محققین۔ اسما سے زمینی اشیاء مراد لی گئیں۔ جب کہ یہ مفہوم مبالغہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ برعکس اس کے کہ قرآنی بیان ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ اور دیگر آیات کے بیان سے۔ "النبی"۔ اور معرفتِ اسرارِ کائنات کا تصور واضح طور سامنے آتا ہے۔ یہی تصور "النبی" کے وجود کی دلیل بنتا ہے۔ لہٰذا۔ مختلف مقامات پر اور مختلف شخصیتوں پر النبی۔ یا نبوت۔ کے ایک ہی تصور میں اختلاف اس وجہ سے ہوا۔ کہ اَسْمَآءَ كُلَّهَا کے حقیقی تصور میں۔ کن کیفیات کو شمار۔ یا شامل کیا گیا۔ وہ یہ کہ اصول و ضابطہ طریقت کے مطابق۔ اَسْمَآءَ كُلَّهَا میں۔ معرفتِ اسرارِ کائنات کا تعین کیا گیا ہے۔ کہ اَسْمَآءَ كُلَّهَا کن کیفیات سے تعبیر ہے۔ جب کہ تصور طریقت قرآن سے ثابت ہے۔ اسی طریقت کی رو سے اَسْمَآءَ كُلَّهَا کی ہیئتیں اور کیفیات متعین کی گئی ہیں۔ جس میں ایک انسان سے لے کر تمام کائنات عالم۔ تا ذات الٰہی کی وضاحت کی گئی ہے۔ کہ تمام کائنات کیفیات سے معروف ہیں۔ جنہیں "عالم" سے موسوم کیا گیا۔ جن میں عالمِ ناسوت یا عالم ناس۔ یا عالم دنیا۔ یا عالم خاکی۔ عالم دنیا (جس کی حد عالم سیارگان تک ہے) جس کی حد آسمان۔ یا آسمان اول تک ہے۔ جیسے قرآن نے اس کا تصور۔ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ۔ میں پیش کیا۔ اس کے بعد عالم ملکوت۔ یا عالم ملائکہ آتا ہے۔ یہ ایک نوری فضا (یا عالم) ہے جس میں نوری مخلوق ملائکہ کا قیام ہے۔ جس کی حد سدرۃ المنتہیٰ (عالم) تک ہے۔ جو آخری حد عالمِ ملکوت کی ہے۔ حضرت جبرائیلؑ کی نسبت سے اس مقام کی حد عالمِ جبروت سے موسوم کی جاتی ہے۔ اس کے بعد عالمِ لاہوت ہے۔ چنانچہ ان مقامات کی حدیں۔ علمائے دین۔ علمائے طریقت نے بالمشاہدہ متعین کی ہیں۔ یہ کیفیتیں اللہ تعالیٰ نے نازل سے تخلیق کائنات میں ترتیب دی ہیں۔ انہی کیفیات و عالم کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(طریقت کا) یہ عمل جاری رہتا ہے۔ اور اسی علم وعمل کے نتیجہ میں ایسا فرد "النبی" کہلاتا ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ آپؐ کے بعد کسی فرد کو "النبی" کی صفت سے پکارا نہیں جا سکتا۔ جب کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلیفۃ الرسول کی حیثیت (مشاہدہ اسرارِ کائنات کی خصوصیت پر) بحیثیت ایک نبی کے قائم رہتی ہے۔ اس حال میں کہ آپؐ کا یہ فرمان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل انبیاء کے لیے وقف ہے۔ کہ ایک پیدائشی نبی کو رسالت کے لیے منتخب ہونے کی بناء پر اس "نبی" کا تصور "لا رسول" کی حیثیت میں قائم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے ظہور کے بعد کسی ہدیٰ (کتاب) کا نزول ممکن نہیں۔ اس لئے یہ امر لازم ہوگا کہ آپؐ کے بعد پیدا ہونے والی مخلوقِ انسانی کے لیے بھی۔ ایک النبی۔ ایک رسول کی ضرورت باقی رہے گی۔ لہٰذا یہ ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین بحیثیت خلیفۃ الرسول پوری کریں گے۔ اس کی صورت یہ ہوگی۔ اس مقام پر حقائق کے مطالعہ میں وسیع ذہن۔ اور خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے مطابق آپؐ کے بعد کوئی فرد مقامِ "النبوت" پر فائز نہ ہوگا۔ یہی مقام ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوئے "نبوت" کرنے والوں کو کذاب کہا گیا۔ گویا دین وشریعت (یا طریقت) میں ایک صاحبِ علم وعمل کو اگرچہ اسے مشاہدۂ اسرارِ کائنات یا معرفتِ الٰہی حاصل ہو النبی کی صفت سے پکارا نہیں جائے گا۔

اس مقام پر گزشتہ بیان کئے گئے حقائق کو سامنے رکھ کر تجزیہ کرنا لازم ہے۔ کہ "لفظ النبی" کی تکرار پر امت میں۔ بحث ومناظرہ پیدا ہو کر۔ اس "لفظ" کی مختلف تاویلوں کی بناء پر ایک عظیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) قرآن نے اَسْمَآءَ كُلَّهَا کے نام سے موسوم کیا ہے — اور یہی کیفیات الٰہی ہیئتوں — یعنی عالم نوری کی شکل میں ازل سے ترتیب دی گئی ہیں۔ جو ازل سے ابد تک ایک مقام — ایک کیفیت، ایک ہی ہیئت کی صورت میں قائم ہیں۔ لہٰذا۔ آدم علیہ السلام کو ان کی پیدائش پر انہی کیفیات کا مشاہدہ دیا گیا۔ جس کا ذکر وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے بیان میں پیش کیا۔ اس لیے ان "اسماء" کا ایک ہی مقام — ایک ہی ہیئت — ایک ہی کیفیت متعین ہے۔ اسی مشاہدہ سے — ایک فرد — شاہد کو اَنْبِئْهُمْ۔ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ کے تصور کے ساتھ النبی کہا جاتا ہے — اور آدمؑ کے بعد جو بھی فرد اَسْمَآءَ كُلَّهَا کا — انہی کیفیتوں کے ساتھ مشاہدہ کرے — چونکہ اسرارِ کائنات ایک ہی کیفیت — میں ہیں — انہی کیفیات کے مشاہدہ سے۔ ہر شخص۔ ہر فرد کو النبی کہا جاتا ہے۔ جب کہ یہ کیفیات ایک ہی ترتیب میں واقع ہیں۔

فتنہ رونما ہوا۔ جس فتنہ کو "فتنہ مرزائیت" سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ واقعہ یوں ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے نتیجہ میں آپ کے بعد اکثر لوگوں نے۔ النّبی ہونے کا دعوے کیا۔ لیکن اس دعویٰ کو علمائے امت نے رد کردیا۔ اسی ضابطہ کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ سوال یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حتمی اعلان ہے۔ کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ! تو کس مفروضہ پر ایسے لوگوں نے "النبی" ہونے کا دعویٰ کیا۔؟ تو اس کے لیے اول "النّبی" کے مفہوم و تصور کو قرآن کے بیان کی روشنی میں سمجھا جائے۔ کہ "النّبی" کی قرآن نے کیا تعریف کی ہے؟۔ لہذا اس مقام پر گزشتہ بیان میں پیش کئے گئے حقائق پر اس لفظ (النّبی) کا حقیقی تصور حاصل کیا جائے۔ کہ صطلاح عربی۔ یں زبانِ عربی۔ اور مخاطبین کے اندازِ کلام۔ اصطلاحِ قریش اور خود قرآن زبان و اصطلاح کے مطابق۔ قرآن کے حقائق کا تصور حاصل کرنے میں زبانِ قرآن۔ راصطلاحِ قریش کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ النّبی کے تصور و مفہوم کے لئے رآن اپنے ابتدائی بیان میں۔ وضاحت سے یہ تصور ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ۔ غالباً علمائے اسلام کے نزدیک یہی مفہوم واضح ہوسکتا ہے۔ کہ "خبر دو مجھے ان "اسما" کی"۔ اسماء۔ درحقیقت علمائے اسلام۔ مفسرین۔ محققین نے "اسماء" کے مفہوم میں غلط تصور پیش کیا۔ یعنی اسماء کا معنی عجمی زبان میں "نام" لیا جاتا ہے۔ اور اس "نام" میں اشیاء کے زمینی۔ یعنی۔ زمین کے پھول۔ پھل۔ میوہ۔ سبزیاں وغیرہ۔ مفہوم لیا گیا۔ جس سے "اسماء" کا حقیقی تصور (اسرارِ کائنات) نہیں پایا جاسکا۔ جب کہ الٰہی "اسماء" کے علم پر "انبا" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جس سے النبی۔ کا تصور قائم ہوتا ہے۔ اور فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ۔ اس آیت میں۔ "اَنبا" کا لفظ خبر دی کے معنی میں آتا ہے۔ لہذا اس بیان میں "انبا" کے لفظ میں "النبی" کا تصوّر واضح ہوجاتا ہے۔ جو قرآن کے ہر بیان میں۔ ایک ہی تصور رکھتا ہے۔ یعنی اسماء سے اصل مراد۔ اسرارِ کائنات اور ذاتِ الٰہی بالمشاہدہ حاصل ہونا۔ اس لئے۔ اسرارِ کائنات اور ذاتِ الٰہی کا بالمشاہدہ علم پانا۔ خبر دینا۔ النّبی سے تعبیر ہے۔ اور اسی قرآنی بیان کی روشنی میں۔ النبی کے اسی تصور پر قرآن کے ہر بیان پر۔ یہی تصوّر (معرفتِ اسرارِ الٰہی) قائم رکھنا لازم ہے۔

جیسا کہ قرآنی تاریخ سے واقعہ حضرت آدمؑ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو انہی قرآنی آیات کے مفہوم میں۔ النبی کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔ جب کہ ان قرآنی آیات میں۔ اسماء کو زمینی اشیاء نہیں بلکہ اسرارِ کائنات کے لئے استعمال کیا گیا۔ تو اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے بیان میں۔ حقیقتاً۔ زمین پر پیدا ہونے والا ہر انسان اسی صفت "النبی" میں شمار۔ شامل ہوتا ہے۔ جس میں زمانہ کی تحدید یا تخصیص نہیں۔ کہ کوئی ہے۔ اور کوئی اس زمرہِ النبی میں نہیں! ۔ ایسا نہیں۔ اس کے بعد قرآنی تاریخ کے مطابق۔ حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش پر النبی کا ایک اور تصور قائم ہوتا ہے۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ۔ اس آیت میں ایک فرد کا دینِ حق کی خصوصیت کے ساتھ مبعوث ہونے کا ایک زائد تصور۔ پیدائش انسانی کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ وہ ایک "رسول" کے تصور کے ساتھ ساتھ پیش کیا گیا۔ اس کی تاویل یہ ہے۔ کہ مخلوقِ انسانی کے اسرارِ کائنات کے مشاہدہ وعلم کی محرومی پر وَلَکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ مخلوقِ انسانی کی ہدایت واصلاح (فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی) کے لیے۔ ایک پیدائشی النبی اصطفیٰ بحیثیت "رسول" (رَسُوْلًا مِّنْھُمْ) مبعوث ہونا۔ اس النبی کے تصوّر میں ایک اضافی کیفیت (لقب) شامل ہے۔ وہ کیفیت ایک ہدایت۔ کتاب۔ کلامِ الٰہی (ماسوائے معرفت اسرارِ الٰہی کے) کا بذریعہ۔ جبرائیل ملائکہ کے وحی ہونا ہے۔ (اس وحی کی ترتیب بھی بالمشاہدہ روحانی ہوتی ہے۔) لیکن ان ہر دو مشاہدات کی نوعیت الگ الگ ہے کہ النبی کے مشاہدہ میں مشاہدہ اسرارِ کائنات ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ رسالت میں۔ ایک فرشتے کے ذریعہ احکامِ الٰہی۔ کلامِ الٰہی۔ (ھُدًی) مخصوص ہوتا ہے۔ ہاں! ۔ اس مقام پر ایک رسول کا انتخاب مقصود ہوتا ہے۔ لیکن اس کا تعارف ایک النبی کی حیثیت میں ہوتا ہے گویا۔ رسول کا تصور۔ النبی کے تصور کے ساتھ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور آئندہ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی منصوبہ الٰہی کے تحت۔ اسی تصور (مشترکہ تصور) کے ساتھ مخلوقِ انسانی میں ایک "رسول[1]" کا (النبی کے مشترکہ تصور کے ساتھ) انتخاب

---

[1] یعنی مقامِ رسالت (رسول) کے لیے (عام انسان نہیں) بلکہ ایک النبی (صاحب معرفت) کو (خلیفۃ الرسول کی حیثیت سے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رسالت دے کر رسول کا خطاب دیا جاتا ہے۔ ایسے میں یہ رسول النبی کے تصور میں نہیں دیکھا جاتا ہے۔ اور یہ نبی لا نبی بعدی کے فرمان میں۔ حضورؐ کے بعد نہیں ہو سکتا۔

ہر زمانہ میں ہوتا رہا۔ یعنی ایک "رسول" کا نفاذ۔ ایک النّبی کے تصور میں ہوتا رہا۔ یہی نفاذ قوم بنی اسرائیل میں۔ اسی تصورِ النّبی کے ساتھ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ نفاذ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتخاب تک پورا ہوا۔ اور اس نفاذ کا اختتام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر بحیثیت النّبی آخر الزمان بحیثیت خاتم النبیین تمام ہوا۔ اس مقام پر یہ تصور قائم رکھنا ضروری ہوا۔ کہ بیانِ قرآن کے مطابق۔ منصوبہ الٰہی میں۔ دراصل ایک رسول کا نفاذ مقصود ہے۔ لیکن اس رسول کو النّبی کے تصور کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں اصل تصور۔ ایک "رسول" کا ہو گا۔ جو لَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ کے تصور میں قائم ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اور فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ کی صفت پر ایک النّبی کا تصور اس میں شامل نہیں۔ بلکہ ایک رسول کے نفاذ کے ساتھ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ النّبی کا تصور شامل و قائم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے فرمان کے باوجود انسانی پیدائشی صفتِ نبوت علیٰ حالہ جاری رہے گی۔ ہاں! کذاب نبی بھی پیدائشی حیثیت میں النّبی کی صفت میں شامل ہیں۔ لیکن دعوئے نبوت میں۔ ان کا دعوئے رسول النّبی کا ہونا ہے۔ جو کذب اور گمراہی کے مترادف ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ اسی تصور پر "لفظ النّبی"۔ فتنہ کا سبب بنا۔ کہ علمائے امت اور علمائے جماعتِ احمدیہ اور خاص کر مرزا غلام احمد نے لفظِ النّبی کے تصور و فہم کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور غلط فہمی میں النّبی اور رسول کے تصور کو غلط طور استعمال کر کے فتنہ مرزائیت کو دنیا پر پھیلا دیا۔ اور اصل بات یہ ہے کہ مرزا غلام احمد (قادیانی) کے دعوئے نبوت پر عقل و تدبر اور شرعی انداز میں۔ افہام و تفہیم اور شریفانہ بحث و مناظرہ پر اس عقیدہ پر بحث نہ کی گئی۔ اس بناء پر کہ علمائے اسلام اور علمائے جماعتِ احمدیہ النّبی کے حقیقی مفہوم کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حاصل نہ کر سکے۔ یہی عدم صلاحیت اور غلط تصورات ایک مسلم قوم میں انتشار کے نتیجہ میں ایک وسیع جماعت مسلمانوں سے کٹ کر۔ مسلمان ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔

انہی حقائق کی روشنی میں اہل اسلام میں۔ النّبی۔ اور ولی کے تصور پر نزاع قائم ہے۔ کہ النّبی کی صفت میں ولی پکارا نہیں جاتا۔ یا ولی کو النّبی کے تصور پر پکارا نہیں جاتا۔ یہ نزاع بھی

قرآنی بیان کی روشنی میں ایک غلط العام تصور کی بنا پر۔ قائم ہوتا ہے۔ کہ رسول کے بعد تابعین قائم مقام۔ النبی نہیں کہلاتے۔ اس بنا پر نبوت کی صفت۔ ولی میں نہیں۔ وغیرہ۔ گویا لفظ النّبی ایک تخلص سمجھا جاتا ہے جسے مرزا غلام احمد کے دعوئے نبوت میں موصوف نے جو دلیل پیش کی وہ ایک نقص کی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ نے مجھے ایک ہزار بار النبی کہہ کر پکارا۔ جب کہ النبی کی صفت معرفت اسرارِ کائنات اور معرفت اسرارِ الٰہی سے تعبیر ہے۔

واضح ہو کہ اسی "لفظ النبی" کے مفہوم میں جماعتِ احمدیہ دو فریق، دو تصورات کی صورت میں تقسیم ہوگئی۔ جب کہ انہیں قرآنی بیان کی روشنی میں۔ النبی کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکا۔ ان میں ایک فریق "قادیانی" جماعت کہلاتی ہے۔ دوسرا فریق "لاہوری" جماعت کہلاتی ہے۔ ان دو فریقین میں النبی کے مفہوم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قادیانی جماعت "النّبی" کے تصور پر مرزا غلام احمد قادیانی کو خالص النّبی تصور کرتی ہے۔ اور لاہوری جماعت "النّبی" کے تصور کے خلاف مرزا غلام احمد کو "ولی" کہتی ہے۔ قادیانی جماعت "النّبی" کی صفت میں مشاہدہ باطنی کے مفہوم میں مرزا غلام احمد کو "النّبی" پکارتی ہے۔ اس کے مقابل لاہوری جماعت (اسی مشاہدہ باطنی کی خصوصیت پر) مرزا غلام احمد کو ولی تسلیم کرتی ہے۔ کہ وہ حضورؐ کے فرمان لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے ارشاد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک "نبی" کے دعوئے کے قائل نہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس صفتِ مشاہدہ اسرارِ الٰہی (ان کی دانست میں کشف) کا حامل "ولی" کے لقب سے معروف ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ یہ ہر دو فریق قرآنی بیان کی روشنی میں ایک النّبی کی صفت میں معرفتِ اسرارِ الٰہی کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ لیکن معرفتِ اسرارِ الٰہی کے ماخذ کو قرآنی آیت عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ۔ اور اَنْۢبِئْهُمْ۔ اَنْۢبَاَهُمْ سے حاصل نہ کرسکے۔ یہ کہ اَسْمَآءَ كُلَّهَا میں۔ اسرارِ کائنات کے مشاہدہ پر النّبی کا حقیقی تصور حاصل ہوتا ہے۔ قائم ہوتا ہے۔ سوائے اس کے ایک مبہم موہوم تصور پر۔ محض کشف۔ (روحانی مشاہدہ) پر النبی کا تصور قائم کرتے ہیں۔ جب کہ (علمِ طریقت کی رو سے) یہ کشف اصل حقیقی کشف کے تصور میں نہیں۔ بلکہ ناسوتی۔ یا استدراجی کشف کہلاتا ہے۔ جو ایک غیر مذہب سادھو راہب کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے لاہوری جماعت اَسْمَآءَ كُلَّهَا کی اصل حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے۔ مرزا غلام احمد کو النبی پکارنے سے گریز کرتی ہے۔

اس حال میں کہ انہیں ایک ولی کی صفت النّبی سے ادنیٰ تر کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے لاہوری جماعت مرزا غلام احمد کی صفتِ نبوت کی نفی کرتی ہے۔ اس مقام پر النّبی۔ اور ولی کی صفت میں اختلاف بھی۔ حقیقی علم نبوت (مشاہدہ اسرارِ الٰہی کی خصوصیت) سے لاعلمی کی بناء پر ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ از روئے قرآن۔ النّبی کی خصوصیتِ نبوت۔ اسرارِ کائنات۔ اور ذاتِ الٰہی کے دیدار و مشاہدہ پر ہے۔ اس لاعلمی کی وجہ سے۔ ایک غلط العام تصور۔ قائم کیا جاتا ہے۔ کہ النّبی کو مقام کے اعتبار سے۔ ایک علیحدہ۔ ذات تصوّر کر کے۔ بلا سمجھے۔ ایک منفرد ذات سمجھتے ہیں۔ جو کسی عام فرد کو حاصل نہیں ہو سکتی لیکن وہ یہ کیفیت نہیں جانتے۔ جس کیفیت سے النّبی کو خصوصیّت دی جاتی ہے۔ اسی تصور د صفت پر ایک ولی کو بھی خصوصیت دی جاتی ہے۔ کہ ایک ولی کو بھی مشاہدہ اسرارِ کائنات اور مشاہدہ ذاتِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی تصور پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ خصوصیت کسی عام فرد کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایسے فرد کو "ولی" کہا جاتا ہے۔ اس حال میں کہ النّبی کے مقابلہ میں۔ علم اور مرتبہ میں ایک ولی کا درجہ النّبی سے ادنیٰ ہوتا ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے۔ کہ یہ جماعت حقیقی کیفیتِ نبوت۔ مشاہدہ اسرارِ کائنات کا علم نہیں رکھتی۔ کہ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی۔ سے ہی ایک فرد۔ "النّبی" کی صفت میں آتا ہے۔ اور ایک ولی کو بھی معرفتِ اسرارِ کائنات میں یہی کیفیات مشاہدہ میں آتی ہیں۔ جس خصوصیت سے علمی اعتبار سے ایک ولی۔ اور النّبی میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ اس حال میں۔ کہ انسانی (مخلوقی) حیثیت میں۔ مشاہدہ و معرفت میں ایک ہی کیفیتِ مشاہدہ پائی جاتی ہے۔ جو مقاماتِ معرفت ہیں۔ عالمِ ناسوت۔ عالمِ ملکوت۔ عالمِ جبروت سے موسوم ہیں۔ ایسی صورت میں جب کہ ہر دو افراد کو مشاہدہ اسرارِ کائنات میں ایک کیفیت مشاہدہ میں آتی ہے۔ ایک ولی بھی النّبی کی صفت سے پکارا جا سکتا ہے۔ دراصل النّبی۔ یا ولی۔ کوئی مرتبہ۔ یا مقام نہیں بلکہ ان الفاظ سے مقام و مرتبہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں۔ ایک النّبی۔ اور ایک ولی کے مشاہدات میں ایک ہی کیفیت مشاہدہ و مرتبہ کی ہو۔ تو ایک ولی کے لیے بھی۔ النّبی کی صفت صادق آتی ہے۔ اس اختلافِ تصورات کا اصل سبب جیسا بیان ہوا کہ علمائے اسلام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں النّبی و نبوت کا مفہوم پانے میں صحیح تحقیق و اجتہاد سے کام نہ لیا۔ اس حال میں کہ علمائے امت نے قرآنی آیاتِ متشابہات پر توجہ

نہ دی۔ اس لیے کہ یہ عمل آثارِ باطنی (روحانی) سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی تصورِ النبی سے متعلق قرآنی آیات متشابہات سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی روحانی علم ہیں۔ مشاہدہ اسرارِ کائنات ہی کی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ اس لئے جب تک علمِ باطن پر ایک عالم کا عبور نہ ہو۔ وہ النبی کے حقیقی تصور۔ اور علم کو اس کی اصل ہیئت میں سمجھ نہیں سکتا۔ اور عقلی اجتہاد۔ چونکہ الفاظ کے بغیر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی تاویلات غلط تصور پیدا کرتی ہیں۔ جس بناء پر ایسے علم پر بغیر القا بحث سے اختلاف و فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی کیفیت۔ جماعتِ احمدیہ۔ قادیانی اور لاہوری کی ہے۔ کہ انہیں النبی کے حقیقی مفہوم کا اصل تصور حاصل نہیں۔ جس بنا پر ان کے عقائد ہیں۔ ایک ہی ذات (النبی) پر بوجہ لاعلمی کے اختلاف پیدا ہوا۔ یہی صورت علمائے اسلام کی ہے۔ کہ وہ بھی۔ النبی کے تصور کو قرآنی آیات کی روشنی میں حاصل نہ کر سکے۔ اور ذاتی تاویلات سے "النبی" کا غلط تصور قائم کرنے کی وجہ سے النبی اور ولی کی خصوصیات پر اصل تصور حاصل نہ کر سکے۔ کہ النبی۔ اور ولی دو تصور الگ الگ قائم کئے۔ لہذا اس مقام پر گزشتہ بیان کی روشنی میں۔ النبی اور ولی کی تعریف میں اصل تصور پیش کیا جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآنی بیان میں۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی آیات سے لے کر۔ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کی آیات تک سوائے اس کے نہیں۔ کہ ان آیات میں صرف ایک النبی۔ اور النبی کی خصوصیت میں مکمل تصور و تفصیل پیش کی گئی ہے۔ لہذا جب تک ان آیات کے معانی و تفسیر پر غور نہ کیا جائے۔ مسئلہ النبی و نبوت حل نہ ہو سکے گا۔

قرآنی تاریخ میں تحقیق سے یہ امر واضح ہے۔ حضرت آدمؑ۔ یا کسی اور نبی کے متعلق ایسا بیان ہو کہ اسے براہِ راست النبی پکارا گیا ہو۔ سوائے اس کے کہ قرآنی اندازِ بیان سے ایک نبی کی صفت خود بخود عیاں ہوتی ہے۔ جیسے ابتدائی بیان میں۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے بیان میں لفظ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ خود ایک النبی کا تصور واضح کرتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ قرآنِ عربی میں حقیقتاً لفظ "اَنْۢبَاَ" کے مفہوم و تفسیر میں۔ النبی ہی کا تصور پایا جاتا ہے۔ اس کے سوا قرآن میں کسی موقع پر ایسی تفصیل پیش نہیں کی گئی۔ جس میں النبی

کی خصوصیت بیان کی گئی ہو۔ سوائے اس کے کہ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کے منصوبۂ الٰہی کے موقع پر ایک رسول کی بعثت پر ایک النبی کا تصور قائم کیا گیا۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ اس مقام پر ایک رسول کا واحد تصور دیا گیا۔ کہ رسول کی تعریف۔ کتابِ الٰہی کا اجراء کرنے والا۔ الدین کی اشاعت کرنے والا۔ اس مقام پر النبی کا تصور نہیں دیا گیا۔ لیکن۔ چونکہ اس موقع پر۔ رسالت کے لیے۔ ایک النبی کو ہی منتخب کیا جاتا ہے۔ اس لئے رسول کی صفت کے ساتھ النبی کا تصور زیادہ واضح محسوس ہوتا ہے۔ جب کہ اس مقام پر رسول کا تقرر (یا انتخاب) اصل مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا۔ اس مقام پر ایک منتخب فرد کا دونوں حیثیتوں میں الرّسول کے تصور میں۔ وحی جبرائیل کے ذریعہ کلامِ الٰہی کتابِ ہدایت کا تصور اور النبی کے تصور میں۔ معرفتِ اسرارِ کائنات اور معرفتِ ذاتِ الٰہی کا تصور قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ البتہ۔ چونکہ اس مقام پر۔ انتخاب الرّسول۔ اصل مقصود ہوتا ہے۔ کہ ایک نبی کو رسالت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس نفاذ کے لیے الرّسول کا تصور منفرد ہوتا ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال بعد مقامِ رسالت عطا ہوا۔ اس حال میں کہ النبوت میں معرفت اسرارِ کائنات کا تصور قائم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ تصور درست نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال بعد نبوت عطا ہوئی۔ یا انتخابِ رسالت کے موقع پر۔ اعلانِ رسالت کی بجائے "اعلانِ نبوت" سمجھنا درست نہیں ہو سکتا۔ ان حقائق کی روشنی میں۔ جب کہ انتخابِ رسالت پر۔ ہر دو تصورات رسالت (انتخابِ رسالت) اور النبوت (صفتِ نبوت) ایک فرد کے لیے لازم کئے گئے۔ تو چونکہ اس مقام پر رسالت کے لیے ایک نبی کا ہی انتخاب ہوتا ہے۔ اسی انتخاب کے تصور پر ایک رسول کو النبی پکارا جاتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر حیثیت کو اس کی صفت پر ذہن میں رکھا جائے۔ کہ الرّسول کی خصوصیت کیا ہے۔ اور النبی کی خصوصیت کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسی خصوصیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے۔ النبی۔ کا مسئلہ وجہِ فساد بنا۔ جیسے حضورؐ کا فرمان (ارشاد) ہے۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ تو اس مقام پر قرآنی حقائق کو زیرِ نظر نہ رکھا گیا۔ تو فتنہ قادیانیت، مرزائیت وجود میں آیا۔ جیسا بیان ہوا کہ اس تحقیق میں: بیان نبی سے ہوا۔ (لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ) لیکن اصل تصور رسول کا ہے۔ کہ فرمانِ الٰہی کے مطابق۔ یہ تصوّر فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کے بیان سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں وحی جبرائیل کے ذریعہ کتابِ ہدایت کے نزول میں۔ ایک رسول کا نفاذ (بعثت) اصل مقصود ہے۔ کہ گمراہ قوموں کے لیے۔ ایک کتاب۔ اور ایک رسول بھیجا

جائے گا۔ ہاں۔ اس نزول کی ترکیب یہ ہوگی۔ کہ اس نفاذ کے لیے۔ ایک "النبی" کو منتخب کیا جائے گا۔ اور اس نفاذِ رسول کا اختتام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ۔ اور قرآن کے نزول پر تمت ہوگا۔ ایسی صورت میں اس مقام پر نفاذِ رسالت کا خاتمہ اصل مقصود ہے۔ لہذا اس مقصود کی تکمیل پر (لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ) ہماری بعثت سے رسالت کے خاتمہ پر آئندہ کسی نبی کا انتخاب نہ ہوگا۔ اس حال میں کہ النبی کی ذاتی صفت معرفتِ اسرارِ کائنات آئندہ جاری رہے گی۔ اور یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم رسالت پر آئندہ آنے والی مخلوق کی ہدایت (فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی) کا کیا طریق ہوگا؟ یہ امر واضح ہے کہ قرآن تمام مخلوق کائنات کے لیے ذریعہ ہدایت مقرر ہے۔ لہذا اس کے اجراء و اشاعت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء ـــــ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تربیت سے۔ معرفتِ اسرارِ کائنات۔ معرفتِ اسرارِ الٰہی بدرجہ اتم۔ بدرجہ اولیٰ حاصل کئے ہوں گے۔ ایسے موقع پر۔ جہاں گزشتہ قوموں میں۔ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ انہی کی قوم سے ایک فرد کی صفتِ نبوت محفوظ کر کے۔ اسے نفاذِ رسالت کے لیے منتخب کیا جاتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا موقع نہ آئے گا۔ کہ امت کے لیے۔ کسی فرد کو محفوظ کیا جائے۔ بلکہ آپؐ کی امت میں بے شمار ایسے افراد (علمائے امت کی حیثیت میں) موجود ہوں گے۔ جو بدرجہ اولیٰ معرفتِ اسرارِ کائنات حاصل کئے ہوں گے۔ اور مخلوقِ انسانی کی راہنمائی سے انہیں مقامِ معرفتِ الٰہی عطا کریں گے۔ اور یہی لوگ مقامِ رسالت (اجرائے قرآن و حدیث) کے لیے منتخب کئے جائیں گے۔ اسی مقام۔ اسی کیفیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔ کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی آئندہ مثلِ سابق کسی فرد کسی نبی کو رسالت کے لیے منتخب کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ جب کہ ہماری امت میں علمائے امت (جنہیں اولیائے امت سے موسوم کیا گیا) ہم پر نازل کئے گئے قرآن کا اجراء کریں گے۔

اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی کیفیت کا اعادہ فرماتے ہیں۔ جو گزشتہ قوموں میں۔ ایک رسول کے نفاذ پر ایک النبی کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن نے اس حقیقت کا اظہار اس بیان سے کیا۔ کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بحیثیت الرسول مبعوث کئے گئے۔ اور اس بعثت کا اختتام آپؐ ہی کی ذاتِ اقدس سے ہوتا

ہے۔ لہٰذا آئندہ۔ نہ کتاب ہدایت نازل ہوگی۔ نہ اس کے لیئے کسی نبی کا انتخاب ہونا ہے۔ اور اس اعلانِ الٰہی کی سند اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی کتاب (کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ) آئندہ آنے والی قوموں کی ہدایت کے لئے تاقیامت کافی ہوگی۔ اس حال میں۔ کہ قرآن کے اجراء کے لیے امت کے علماء ہر زمانے میں میسر ہوں گے۔ ہاں یہ علماءِ امت (جیسا کہ عملِ رسالت کے لیے ایک نبی کا انتخاب ہوتا تھا) اولیائے امت کی حیثیت سے عملِ رسالت کا اجراء کریں گے۔ چونکہ عادتِ الٰہی۔ قانونِ الٰہی کے تحت گزشتہ قوموں کی ہدایت کے لیے کتابِ ہدایت کے نفاذ کے لیے۔ ایک رسول مقرر کیا جاتا رہا۔ اور قانونِ الٰہی کے تحت ایک رسول کے لیے۔ ایک "النبی" کو منتخب کیا جاتا رہا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ اسی قانونِ الٰہی کے تحت۔ آئندہ اولیائے امت۔ بحیثیتِ علمائے امت۔ اس عمل کو پورا کریں گے۔ کہ عملِ رسالت پورا کرنے کے لیے۔ ایک فرد۔ فردِ امت۔ "ولی" کی حیثیت سے عملِ رسالت کی تکمیل کرے گا۔ ہاں اس مقام پر غور و توجہ ضروری ہے۔ کہ ایک "ولی" حقیقتاً انہی اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔ جو صفات ایک نبی میں (معرفتِ اسرارِ الٰہی) پائی جاتی ہیں۔ حقیقتاً قانونِ الٰہی کے تحت ایک النّبی کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ تصور بہر حال قائم رہے گا۔ کہ امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء مثلِ سابق انبیاء و رسل کے انہی صفات سے متصف ہیں۔ جو قرآن نے ایک النّبی۔ اور ایک الرّسول کی صفات میں بیان کئے ہیں۔ بلکہ امتِ محمدیؐ کے علماء و اولیاء کی خصوصیات سابق انبیاء و رسل کے مقابلہ میں اعلیٰ قرار دی جاتی ہیں۔ جو خصوصیات اس حدیثِ قدسی سے واضح ہوتی ہیں۔ کہ اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ۔ یعنی ہماری امت کے علماء (اولیائے امت بھی) بنی اسرائیل انبیاء کے مانند معرفتِ اسرارِ الٰہی میں۔ اور اجرائے کتابِ ہدایت میں ہمسری رکھتے ہیں۔ اس حال میں کہ گزشتہ انبیاء کو ایک مختصر قوم کے لیے کتابِ ہدایت دی گئی۔ اسی حیثیت میں ان کے انبیاء کا مقام تھا۔ مگر ہماری امت کے [illegible] کو اُمُّ الْکِتَابِ ہم سے ورثہ میں دی گئی ہے۔ جس کی ہدایت تمام مخلوقِ کائنات کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے علماءِ امت کا بلند مقام ہے۔ جو (جن کے ذریعہ)۔ اس کتاب کی ہدایت تمام عالم تک پہنچانے والے ہوں گے۔ اسی حیثیت میں۔ امتِ محمدیؐ کے اولیاء۔ مخلوق کو معرفتِ اسرارِ کائنات۔

معرفتِ اسرارِ الٰہی عطا کرنے والے ہوں گے۔ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔ النبوت ورسالت میں بلند مقام رکھنے والے ہوں گے۔ حقیقت کو سمجھو۔ تو اس حقیقت سے انکار نہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علماءِ امت اور اولیائے امت کے ذریعہ۔ عملِ النبوت (معرفتِ اسرارِ الٰہی) عملِ رسالت (وحی کتاب اللہ) قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی کیفیت کا قرآن دَبَعَثَہٗ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کے بیان میں اشارہ دیتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ حمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد (محمود ومحمد) علمائے امت کے ذریعہ قیامت تک جاری رہے گی۔ اور آپؐ کی امت کے اولیاء۔ علماء کے ذریعہ ذاتِ الٰہی کی حمد قیامت تک جاری رہے گی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآنی بیان سے یہ حقیقت واضح ہے۔ اس بیان کی روشنی میں۔ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کا حقیقی مفہوم واضح ہوتا ہے۔ کہ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ اصل لَارَسُوْلَ بَعْدِیْ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علمائے امت کے ذریعہ عملِ رسالت (یعنی اجرائے واشاعت قرآن وحدیث) برابر قیامت تک باقی رہے گا۔ اور جہاں تک عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا کا فرمان۔ مخلوقِ انسانی سے متعلق ہے۔ سو جب تک انسان پیدا ہوتا رہے گا۔ یہ عمل "عملِ نبوت" بھی قیامت تک باقی رہے گا۔ لہٰذا حضورؐ کا فرمان لَانَبِیَّ بَعْدِیْ سے مراد سابقین انبیاء جو حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک بنی اسرائیل کے انبیاء کا دورِ رسالت اور دورِ نبوت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ نزولِ کتاب۔ ختم ہونے کی صورت میں لَانَبِیَّ بَعْدِیْ۔ یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس حال میں کہ حقیقی عملِ نبوت معرفتِ اسرارِ الٰہی۔ معرفتِ ذاتِ الٰہی از روئے قرآن قیامت تک جاری رہنا ضروری ہے۔ جب کہ اس فرمانِ نبیؐ میں۔ النّبی کی خصوصیات میں۔ معرفتِ ذاتِ الٰہی۔ مشاہدہ ذاتِ الٰہی اصل تصور پایا جاتا ہے۔ جو علمائے امت اور اولیائے امت کے ذریعہ پورا ہوتا رہے گا۔ یہ حقائق اگرچہ بظاہر فرمانِ نبیؐ (لَانَبِیَّ بَعْدِیْ) کی نفی محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن قرآنی بیان۔ قرآنی تاریخ۔ قرآنی زبان عربی کی روشنی میں۔ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کا حقیقی مفہوم سمجھنے کے بعد اس فرمانِ نبویؐ کی اصل غایت ومقام واضح ہو جائے گا۔ کہ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ سے اصل کس کیفیت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ ہاں! اس حقیقت کی وضاحت سے یہ تاثر لینا۔ کہ فتنہ مرزائیت میں۔ یہ عقیدہ ونظریہ۔ مرزائی نظریہ کی تائید میں جاتا

ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی پیدا ہوگا۔ یہ اس لیے محسوس کیا جاتا ہے۔ کہ علمائے امت نے النبی کے مفہوم کو قرآنی بیان کے مطابق سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ النبی کی صفت۔ معرفتِ اسرارِ کائنات وذاتِ الٰہی سے تعبیر ہے۔ جب کہ فرمانِ النبی کے مطابق۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے بعد جھوٹے نبی (کذاب) نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ یعنی ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد از روئے قرآن کسی کتابِ ہدایت کے نزول کی بعد از قرآن گنجائش نہیں۔ لہٰذا اس موقع پر کسی "النبی" کے منتخب کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اس اعتبار سے کوئی نبوت کا دعویٰ کرنے والا خلافِ قرآن جھوٹا دعویٰ کرنے والا ہوگا۔ اس حال میں بھی۔ ناسمجھ جھوٹا دعویٰ کرنے والا۔ جب کہ اسے معرفتِ اسرارِ کائنات حاصل نہیں جھوٹا نبی تصور کیا جاتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی۔ ان خصوصیاتِ نبوت۔ معرفتِ اسرارِ الٰہی میں کامل ہو۔ اور قرآن وحدیث پر کاملاً عبور اور اجرائے دین کا فریضہ ادا کرنے والا ہو تو ایسا شخص النبی (علمائے امت) کی صفت میں آئے گا۔ لیکن عملِ رسالت کی تکمیل سے الرسول کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس بناء پر کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابِ ہدایت حاصل نہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب قرآن کا علم تفویض کیا جاتا ہے۔ لیکن علمِ نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ولتوجہ (یُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ) سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی علم علمائے امت کو تفویض ہوتا ہے۔ جو اَلۡعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الۡاَنۡبِیَآءِ۔ علما (اولیائے امت) کو وراثت سے ملتا ہے۔ یہ عمل بذاتہٖ معرفتِ اسرارِ الٰہی۔ اور معرفتِ ذاتِ الٰہی سے موسوم ہے۔ اور اسی عمل کے حصول پر ایک فرد النبی کی صفت سے موصوف ہوتا ہے جب کہ یہ فرد امت کے افراد سے ہوتا ہے۔ اور اس عملِ نبوت سے النبی کہلاتا ہے۔ ہاں! یہ فرد اولیائے امت سے۔ معرفت ومشاہدہ اسرارِ الٰہی کی خصوصیت پر النبی کہلاتا ہے۔ برعکس اس کے کذاب نبی۔ کو چونکہ یہ خصوصیات حاصل نہیں ہوتیں۔ اس لئے اسے "کذاب" جھوٹا نبی کہا جاتا ہے۔ جب کہ وہ خود غرضی۔ جہالت اور لاعلم ہونے کی وجہ سے فتنہ کا سبب بنتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ اس کے پیرو۔ ایک قسم خالص جہلا ان پڑھ لاعلم کی ہے۔ جو صرف لاعلمی کی بناء پر بس جو ذہن میں آیا تسلیم کر لیا۔ نہیں جانتے کہ وہ کس عقیدہ پر تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرا فرقہ بھی غریب طبقہ سے تعلق

رکھتا ہے۔ محض غربت کی وجہ سے ایسے شخص کو نفع کا لالچ دے کر جماعت میں لایا جاتا ہے۔ کہ وہ برسرِ روزگار ہو جاتا ہے۔ ایسے افراد میں ایک مزدور سے لے کر ایک ملازم پیشہ آدمی بھی محض حصولِ دولت کی خاطر یہ عقیدہ۔ اور جماعت میں شمولیت قبول کر لیتا ہے۔ تیسرا فرقہ عام تعلیم یافتہ لوگ۔ جو دینی مسائل جانتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو قرآنی مسائل پر غلط تاویلات سے ایک عقیدہ کو سچا ثابت کر کے قائل کیا جاتا ہے۔ کہ ایسے عقیدہ کو۔ بلا سمجھے۔ سچ سمجھ کر عقیدت مند ہو جاتا ہے۔ چوتھا فرقہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کا جنہیں قرآنی آیات کی روشنی میں عقائد کی سچائی ثابت کر کے قائل کیا جاتا ہے۔ کہ ایسے لوگ ان عقائد کو حقیقت سمجھ کر تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے لوگ مضبوطی سے عقیدہ قبول کرتے ہیں۔ لیکن ایسے عقائد اور دلائل حقیقی مفہوم نہیں رکھتے۔ اور ایک فرقہ اعلیٰ عہدہ داروں۔ یا سرمایہ داروں یا سیاستدانوں کا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ علمی حیثیت سے اس جماعت میں شامل نہیں ہوتے۔ بلکہ اعلیٰ پیمانہ پر اعلےٰ عہدیداروں۔ اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں سے صرف فرقہ کی نسبت سے اثر و رسوخ قائم کرنے کے لیے اس جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ بظاہر ایسے افراد کٹر دیندار محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کا مقصد بڑے پیمانے پر دولت و عہدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ انہی طبقات میں ایک کذاب نبی کی جماعت تشکیل ہوتی ہے۔ البتہ اس جماعت میں اوسط درجے کے کچھ سادہ لوگ صحیح عقیدت پر اس فرقہ سے منسلک ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسے لوگ۔ صحیح دیانت سے اس جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کی دانست میں جیسا انہیں پڑھایا گیا۔ وہ لوگ اس فرقہ کو سچا سمجھ کر پوری عقیدت کے ساتھ جماعت کے عقائد قبول و تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دین سمجھ کر اس جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ اور دینی حیثیت سے۔ ارکانِ اسلام۔ ارکانِ ایمان۔ نماز۔ تلاوت۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج اور دیگر ارکانِ اسلام پر دیانتداری سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک نبی کذاب کو حقیقی النّبی سمجھ کر اس کے ساتھ پوری عقیدت رکھتے ہیں۔

المختصر ان حقائق پر بحث کے بعد اب علمائے اسلام میں "النبی" اور "ولی" کی صفت پر باہمی اختلاف پایا جاتا کس بناء پر ہے؟ اس کی وضاحت ضروری ہے۔ چونکہ ابتداءً قرآنی بیان میں النّبی کے حقیقی تصوّر کو قرآنی آیات سے اخذ نہیں کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی مرزائی

عقیدہ کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی کو النبی کہا گیا۔ اس نظریہ پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد النّبی کا ظہور ہوتا ہے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے مطابق یہ عقیدہ باطل سمجھا جاتا ہے۔ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علمائے امّت النّبی کی صفت میں۔ تصوّر کیے جاتے ہیں؟۔

واضح ہو کہ النّبی کے متعلق تصور و مفہوم۔ قرآن سے سوا۔ کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ کہ قرآن نے اپنے ابتدائی بیان۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں وضاحت سے۔ فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ کے تصور سے پیش کیا۔ اس قرآنی بیان سے بہر حال۔ ایک النّبی کا تصوّر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ نبی تک۔ ایک نبی کے تصور و عرف کے لیے کسی اور مقام پر واضح تفصیل موجود نہیں۔ سوائے اس کے کہ ہر قوم میں رسول مبعوث ہونے پر ایک نبی کا تصور شامل رہا۔ لیکن ہر موقع پر ایک رسول کی بعثت فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی کے فرمان کے مطابق وحی جبرائیل اور کلام الٰہی کا نزول رسول کی صفتِ رسالت پر قائم کیا گیا۔ (نزولِ قرآن صفتِ نبوت میں نہیں آتا نہ معرفتِ اسرارِ الٰہی، اسرارِ کائنات۔ رسالت کی صفت میں آتا ہے۔) اور اس کے ساتھ (اگرچہ النّبی و رسول کا تصور مشترک رکھا گیا) ایک النّبی کا انتخاب عِلْمُ الْاَسْمَاءِ کی صفت پر ہی قائم کیا گیا۔ اسی تصوّر پر سابق انبیاء کو "نبی"، کی صفت پر پکارا گیا۔ جہاں تک انبیاء و رسل کے نفاذ کا تعلق ہے۔ ان کے صحائف (کتاب اللہ) میں ان کے بعد خلفا (جانشین) سے متعلق کیا لقب اختیار کئے گئے؟ اس کا علم سابقین انبیاء و رسل کی کتاب اللہ سے ہی علم میں آسکتا ہے۔ لیکن قرآن سے ان خلفاء کے متعلق۔ جیسے اصولِ علم القرآن کے مطابق۔ انہیں ایک النّبی سے معرفتِ اسرارِ الٰہی حاصل ہونا لازم ہے۔ انہیں "النبی" یا "ولی" کی صفت سے پکارا گیا۔؟ اس کی تصدیق نہیں ــــ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بطورِ رسول ــ بطور النّبی مبعوث ہونے کے۔ قرآنی تاریخ۔ یا تاریخِ اسلام سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے خلفاء کو (جو بدرجہ اولیٰ قرآن و حدیث کے عالم اور معرفتِ اسرارِ الٰہی میں یکتا سمجھے جاتے ہیں) ظاہراً النّبی کے خطاب سے نہیں پکارا گیا۔ سوائے اس کے کہ قرآنی بیان کے مطابق۔ ایک صاحبِ علم۔ صاحبِ معرفت فردِ انسانی ایک النّبی کی صفت میں

آتا ہے۔ اس حیثیت میں علم القرآن کی رُو سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء (اسرارِ معرفت کی خصوصیت کے لحاظ سے) کو النّبی تصور کیا جانا۔ خلافِ قرآن نہیں۔ سوائے اس کے کہ فرمانِ رسولؐ سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لَا نَبِیَّ بَعْدِی۔ آپؐ کے بعد کسی نبی کا ہونا۔ محض (جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا) ایک رسول کا مبعوث ہونا۔ ثابت ہوتا ہے۔ خواہ وہ النّبی کے نام سے ہی ہو۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپؐ کے خلفاء الدین الاسلام (اجرائے قرآن وحدیث) کے اجراء کے لیے۔ منتخب صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ جنہیں خلیفۃ الرسول تسلیم کیا گیا۔ یعنی اجرائے رسالت کے لیے ایک خلیفہ کی حیثیت میں ایک فرد کا انتخاب (خلیفۃ الرسول) ہوا۔ اس تصور میں خلیفہ النبی کا تصور شامل نہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بحیثیتِ النبی کسی صحابی کا تقرر ہو۔ یا انتخاب ہو۔ ایسی صورت میں بھی۔ حضورؐ کے بعد کسی نبی کا بحیثیت خلیفۃ النبی انتخاب یا تقرر نہیں ہوا۔

اس حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد کسی نبی کا تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ کہ حضورؐ کے بعد بھی بحیثیتِ "النبی" مبعوث ہوئے؟ لیکن جیسے رسالت کے لیے ایک فرد کا بحیثیت خلیفۃ الرّسول تقرر ہوا۔ نبوت کے لیے کسی کا انتخاب بحیثیت النبی نہیں ہوا۔ لہٰذا حضورؐ کے بعد "لَا نَبِیَّ بَعْدِی" کا فرمان۔ اس مفہوم میں بھی آتا ہے۔ اس حقیقت کے باوصف (باوجود) جب کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِی کا مفہوم۔ لَا رَسُوْلَ بَعْدِی لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ ایک خلیفۃ الرّسول کا تصور قائم ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ جب تک آپؐ کا الدین قائم ہے۔ تب تک خلیفۃ الرّسول کا وجود (تصور) قائم رہنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں لَا رَسُوْلَ بَعْدِی کا مفہوم درست نہیں ہو سکتا۔ اس تضاد کو سمجھنے کے لیے حقائق پر غور ضروری ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لَا نَبِیَّ بَعْدِی سے مراد۔ قومِ بنی اسرائیل میں جو سلسلہ انتخابِ النّبی جاری رہا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ قف اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ یعنی میں کلمۃ اللہ ہوں۔ میں بحیثیت رسول مبعوث کیا گیا ہوں (اور اس کے علاوہ) مجھے معرفتِ اسرارِ الٰہی عطا کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ

دونوں خصوصیات آپؐ پر ساقط ہو گئی ہیں۔ آئندہ کسی قوم یا قوم بنی اسرائیل سے کسی نبی کا انتخاب کسی حیثیت میں (النبی کے انتخاب کی حیثیت میں۔ رسول کی بعثت کی حیثیت میں) نہیں ہوگا۔ اس حال میں کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس۔ خود النبی ہوں گے۔ اور اجرائے کتابِ ہدایت کے آخری نبی و رسول ہوں گے۔ اور آئندہ (آئندہ اگر انبیاء بنی اسرائیل کی ذریت پیدا بھی ہوتی۔ تو) ان میں کسی۔ النبی کا انتخاب نہ ہوتا۔ اس لئے کہ منصوبہ الٰہی کے تحت کہ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ یہ فیصلہ الٰہی ہے کہ سلسلہ انتخاب انبیاء بنی اسرائیل ساقط ہو کر آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل۔ (امت) سے علمائے امت میں ایک صاحبِ معرفتِ اسرارِ الٰہی کا انتخاب ہو کر (یہ انتخاب بھی مثلِ سابق کسی نبی کے انتخاب پر ایک رسول مبعوث ہوتا رہا)۔ خلیفۃ الرّسول کی حیثیت سے۔ اجرائے کتاب ہدایت (قرآن وحدیث) کا عمل پورا کیا جائے گا۔ اور آئندہ یہ عمل واضح طور علی الاعلان ایک النبی سے ظاہر ہوگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ۔ اصحاب میں۔ (وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ) اکثر۔ کثرت سے علمائے امت۔ بحیثیتِ النّبی۔ معرفتِ اسرارِ الٰہی کا عمل پورا کریں گے۔ جن میں النّبی کا وہی عمل۔ وہی تصور۔ وہی صفت وخصوصیت موجود ہوگی۔ جو انبیائے سابقین کو حاصل تھی۔ اس صورت میں۔ انبیاء بنی اسرائیل کے بعد اب یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمائے امت۔ اولیائے امت سے بحیثیت خلیفۃ الرّسول۔ بحیثیتِ النّبی (خلیفۃ النبی) قیامت تک جاری رہے گا۔ ان حقائق پر غور کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی اصل تفسیر سمجھ آسکتی ہے۔ کہ اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء کی حیثیت مانند انبیاء بنی اسرائیل ہے۔ کہ حضورؐ کی امت کے علماء (علمائے امت میں اولیائے امت کا حقیقی تصور شامل ہے) کا علم وعمل بنی اسرائیل کے الرّسول و انبیاء جیسا ہے۔ رسالت میں۔ اور نبوت میں بھی — لہٰذا حضورؐ کے علمائے امت۔ اور اولیاء امت کے ہوتے۔ کسی رسول۔ کسی نبی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

دیکھنا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں علمائے امت۔ اور اولیائے امت کی حیثیت کس علم وعمل سے ہے؟ — ظاہر ہے۔ یہ علم وعمل قرآن وحدیث سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ وسلم۔ بحیثیتِ النّبی اور بحیثیتِ الرّسول مبعوث ہوئے۔ بحیثیتِ

النبی۔ آپؐ کو وہی علم عطا ہوا۔ جو سابق انبیاء کو حاصل ہوا۔ یعنی معرفتِ اسرارِ کائنات و اسرارِ الٰہی ـــ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو علم خلفائے امت۔ علمائے امت کو حاصل ہوگا۔ وہ علم وہی علم ہے۔ جو سابقین انبیاء نے اپنے خلفاء کو عطا کیا۔ اور اسی طرح بحیثیت الرّسول کتاب اللہ۔ کتابِ ہدایت۔ قرآن کی صورت میں آپؐ کو عطا ہوا۔ بحیثیت الرّسول۔ کتاب اللہ۔ (قرآن وحدیث) کی تبلیغ وارشاد عملِ رسالت سے تعبیر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء بھی اسی حیثیت میں قرآن وحدیث کی اشاعت واجراء کا عمل پورا کریں گے۔ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ۔ انہیں علمائے امت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابل عملِ النبوت میں۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق۔ ایک زائد عمل۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ‌ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ○ وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ○ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۸، ۷۹)۔

نماز پڑھ رات کے اندھیرے میں۔ اور تحقیق صبح کا قرآن پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے۔ اور رات کی نماز وعبادت احکامِ الٰہی کی تعمیل سے علاوہ زائد عبادت ہے۔ جو آپؐ کے لیے مقرر کی جاتی ہے۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ یہ زائد عبادت آپؐ کے صحابہ میں طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ مَعَكَ ایک خاص الخاص جماعت اس عمل میں آپؐ کے شریک ہوں۔ تو انہیں صفت مَشۡهُوۡدًا۔ مشاہدہ اسرارِ الٰہی حاصل ہوگا۔ اور یہی جماعت اولیائے امت کی حیثیت سے اس عمل کو آپؐ کے خلفاء کی حیثیت سے آپؐ کے بعد قیامت تک جاری رکھے گی۔ اس طرح آپؐ کو قیامت تک مقامِ حمد۔ مقامِ محمود حاصل ہوگا۔ کہ گزشتہ انبیاء کے مقابلہ میں۔ جب کہ کسی النبی کی جاری کردہ کتاب اور حاصل کردہ معرفتِ الٰہی۔ ان کے خلفاء سے زیادہ دیر موجود نہ رہ سکی۔ آپؐ کی امت۔ آپؐ کے خلفاء ـــ قیامت تک آپؐ پر نازل کتابِ ہدایت عملِ رسالت (قرآن) کا علم جاری رکھیں گے۔ اس کے ساتھ ہی۔ آپؐ کا جاری کردہ علمِ نبوت (معرفتِ اسرارِ الٰہی) تہجد۔ نوافل۔ نماز۔ درود۔ تزکیہ ومجاہدہ۔ رات جاگنے اور قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ (وظائف ودرود) کا عمل کرنے سے۔ معرفت اسرارِ الٰہی حاصل کئے ہر زمانہ میں پائے جائیں گے۔ جو ہر زمانہ میں مخلوقِ انسانی کو ہدایت کا سامان بہم پہنچائیں گے۔ اس حال میں۔ کہ گزشتہ انبیاء کا علم وعمل۔ زیادہ مدت قائم نہ رہ سکا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

وعمل قیام قیامت دمقامِ محمود تک قائم وجاری رہے گا۔یہی علمِ نبوت۔خلفائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم رہے گا۔یہی خلفائے امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ کے بعد بحیثیت النّبی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وعمل کی تکمیل کریں گے۔ہاں! اس علم وعمل کے اعتبار سے ازروئے قرآن یہ منتخب خلفاء" النّبی" کی صفت سے معروف ہوں گے۔کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم نبوت ہی حاصل ہوگا۔جب کہ ایسے فرد کو ازروئے قرآن۔ نَبِّئْنَا أَنْبَأَهُمْ کی صفت پر" النّبی" پکارا جاتا ہے۔جس تصور وصفت کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے خلفاء۔" النّبی" کی صفت کے ساتھ کریں گے۔

اس قرآنی بیان کی روشنی میں۔یہ قرآنی حقیقت زیرِ نظر رکھنی ہے۔کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان۔لَا نَبِیَّ بَعْدِی۔اس النّبی سے متعلق نہیں۔بلکہ انبیاءِ سابقین کے مانند۔ایک "النّبی" کے پہلے نبی کے بعد آنے والے النّبی کی طرف اشارہ ہے۔جن کا تسلسل حضرت عیسیٰؑ تک پہنچ کر۔خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تمتہ ہوا۔اس حال میں کہ آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء سے۔یہ عمل جاری رہے گا۔اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی کتابِ ہدایت۔اور آپؐ سے جاری شدہ۔معرفتِ اسرارِ الٰہی کا عمل۔تمام مخلوقِ انسانی کے لیے کَافَّةً لِّلنَّاسِ۔کافی ہوگا۔

ان حقائق کی روشنی میں اب۔"فتنہ مرزائیت"۔مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوئے نبوت کی حقیقت واضح کی جائے گی۔کہ کس بناء پر مرزا غلام احمد نے خود کو" النّبی"۔جانا۔ جیسا گزشتہ بیان میں یہ حقیقت واضح کردی گئی۔کہ" النّبی" کا حقیقی تصور۔سوائے قرآن کے کسی صحیفہ۔کسی ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتا۔کہ قرآنی ابتدائی بیان کے۔کہ قرآن نے مخصوص انداز میں اس تصور کا ذکر إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً میں دیا۔ان آیات کی تفسیر میں براہِ راست "النّبی"، کا واضح تصور پایا جاتا ہے۔اس کے سوا۔قرآن میں النّبی کے متعلق اتنی صراحت سے تصور نہیں دیا گیا۔جس سے مراد۔" نبی "۔خبر پانے والا۔اور خبر دینے والا۔اس خبر میں ازروئے قرآن مشاہدہ اسرارِ کائنات۔مشاہدہ اسرارِ الٰہی۔اصل تصور پایا جاتا ہے۔اصطلاحِ شریعت میں اس عمل کو طریقت۔اور نبوت سے تعبیر دیا گیا۔

مرزا غلام احمد نے اسی نوع کا دعوئے کیا۔کہ اسے کشف والہام کے ذریعہ علم باطنی

عطا ہوتا ہے۔ بلاشبہ ایک فرد (مخلوقِ انسانی) کو پیدائشی حیثیت میں (عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ) مشاہدۂ اسرارِ الٰہی حاصل ہونا قرآنی بیان کے مطابق لازمی ہے۔ یہ صورت ایک فرد کے نبی ہونے کی۔ قابلِ تسلیم ہے۔ لیکن مرزا غلام احمد کا دعوٰے اس "نبی" سے نہیں۔ بلکہ النّبی رسول (مقامِ رسالت کے لیے ایک نبی کا منتخب ہونے) کا ہے۔ جس کے متعلق۔ حضورؐ کی بعثت کے بعد۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب ہدایت دی گئی۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا حکم جاری ہوچکا ہے۔ کہ آئندہ النّبی رسول کے ظہور کا کوئی مقام نہیں ــــ ایسی صورت میں مرزا غلام احمد کا دعوٰے قرآن وسنت کے خلاف باطل دعوٰے ہے۔ اس کے بعد جیسا بیان ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے خلفاء۔ اسی خصوصیتِ خلافت۔ النبوت کے ساتھ ہوں گے۔ ان کا مقام بلند مرتبہ خلافت پر ہوگا۔ اور صاحب معرفتِ اسرارِ الٰہی ہوں گے۔ جس کی خصوصیت یہ کہ ایسے خلفاء اجرائے دینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اجرائے علمِ نبوت میں۔ مخلوقِ انسانی کو اجرائے قرآن وشریعت میں۔ جوق در جوق دائرہ اسلام میں لاکر قرآن و حدیث کا علم دنیا پر پھیلائیں گے۔ اور اہم خصوصیت یہ ہونا ضروری ہے۔ کہ ایسے فرد سے علمِ نبوت۔ علمِ طریقت۔ (مشاہدہ اسرارِ الٰہی) عام ہوکر کثرت سے لوگ معرفتِ اسرارِ الٰہی حاصل کئے ہوں گے۔ جن سے علمِ رسالت (شریعت) اور علمِ طریقت عام ہوجائے۔ اور یہ کہ الدین الاسلام کی خصوصیت۔ کہ دین روشن ہو۔ جس میں فساد۔ (فساد وخونریزی) نہ پیدا ہو۔ اور الدین الاسلام کے اقتدارِ اعلیٰ کا زمین پر نفاذ عام ہو۔ ایک نبی کی زندگی میں اس کے عام خلفاء ہوں۔ جو صاحبِ مشاہدہ۔ معرفتِ اسرارِ الٰہی ہوں۔ اور ایک نبی کی وفات کے بعد اس کے ایسے خلفاء موجود ہوں۔ جو ایک نبی کے بعد۔ علمِ نبوت کا اجراء کرنے والے ہوں۔ تاکہ علمِ شریعت اور علمِ نبوت علیٰ حالہٖ قائم رہے۔

لہٰذا مرزا غلام احمد۔ کے دعوٰے میں۔ ان صفات کا ہونا لازمی ہے۔ اس حال میں کہ اس کے دعوٰے نبوت کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلی صفت نبوت کہ اس کے دعوٰے کی سند (علم الاسماء) معرفتِ اسرارِ الٰہی سے نہیں۔ کیونکہ۔ مرزا غلام احمد کے تمام علمی خزانہ میں معرفتِ الٰہی کا بین واضح تصور نہیں ملتا۔ سوائے اس کے کہ اس کے کشف والہام کی اساس صرف۔ مشاہدۂ ناسوتی پر ہے۔ کہ عام حالتوں میں دنیاوی آثار کا کشف

بیان کیا ہے۔ جو کہ اصلاً (استدراجی کیفیت) معرفتِ الٰہی۔ عالمِ نوری سے نہیں۔ کہ بقول اس کے۔ کہ مجھے براہِ راست اللہ سے وحی حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ وحی سے یا آثارِ باطنی۔ ملکوتی کا اظہار ہو۔ یا مثلِ انبیاء کے مقامِ رسالت پر وحی الٰہی کا نزول ہو۔ لیکن یہ نزولِ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے بعد ساقط ہو چکا ہے۔ کہ مرزا غلام احمد کو ایسی وحی از روئے قرآن و فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے نزول کے بعد اس کی قطعاً ضرورت نہیں رہی۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے خلفا کا۔ خلیفہ نبی کی حیثیت سے ہونا ثابت ہے۔ لیکن ان خلفاء کی صفاتِ نبوت میں۔ اول معرفتِ اسرارِ الٰہی کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ بمطابق فرمانِ رسولؐ ایسا دعویٰ کرنے والا کاذب ہے۔

مرزا غلام احمد کے دعوئے نبوت پر ابتداءً عظیم فساد شروع ہوا۔ جو قوم و ملت کا فساد ثابت ہوا۔ کہ علمائے اسلام کے ساتھ شدید مجادلہ۔ مناظرہ۔ فساد جھگڑا۔ اس کے دعوے کے ابتدائی آثار تھے۔ جس میں فرقہ مرزائیت کو کسی موقع پر ثبات حاصل نہ ہو سکا۔ سوائے اس کے کہ انگریز کی سیاست کے نتیجہ میں۔ جماعتِ احمدیہ نے علماء کی ربے جا یلغار کے مقابلہ میں انگریز کی حمایت حاصل کر کے فرقہ وارانہ قوت حاصل کی۔ جس پر فرقہ احمدیہ کا وجود قائم ہوا۔ بلاشبہ جماعتِ احمدیہ کے علماء کے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے دلائل ایسے تھے۔ جو ثبوت فراہم کرنے میں کارآمد تھے۔ کہ نبی کو کشف و الہام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ان دلائل کی بنیاد اصل نہ ہونے کی وجہ سے۔ مرزا غلام احمد نبوت کی سند پیش نہ کر سکتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں علمائے اسلام اور علمائے جماعت احمدیہ میں ہمیشہ مجادلہ۔ مباحثہ اور فساد برپا ہوتا رہا۔ جماعتِ احمدیہ نے فرقہ وارانہ تنظیم کے بل پر ایک وسیع علمی مواد پیدا کر کے اپنی علمی حیثیت کو قائم کیا۔ اور مختلف حیلوں سے اپنی جماعت کو اس قدر وسیع کر لیا۔ کہ انگریز کے عہدِ حکومت میں۔ انہیں پسپا نہ کیا جا سکا۔ البتہ ان کی قومی حیثیت کی تقویت و وسعت کا سبب یہ ہے۔ کہ اس قوم میں اخلاق (بلکہ اخلاقِ حسنہ) کے بہترین اصول۔ انسانی ہمدردی قوم کے لیے ہر قربانی دینا۔ دیانت داری۔ بھائی چارہ۔ صبر و تحمل۔ بردباری۔ بلکہ جہاں تک قوم میں۔ فرقہ احمدیہ قومی احساسات میں۔ ہر آدمی اپنی قوم (فرقہ احمدیہ) کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ فرد کے ساتھ اخوت۔ ہمدردی۔ مدد۔ اخلاقی رواداری۔ اور اپنے امیر کی اطاعت میں۔ اپنے

اصولوں کی پیروی۔ حدِ کمال کے حامل ہیں۔ بلکہ جب کہ جماعتِ احمدیہ خود کو صحیح مسلمان (مومن) تصور کرتے ہیں۔ ان کی عبادتیں۔ طریقِ سنت کے مطابق۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ احسان۔ حج اور ارکانِ اسلام اور ارکانِ ایمان پر قائم ہیں۔ جس میں کسی حد تک خلوص و دیانت شامل ہے۔ کہ عبادتوں میں منافقانہ انداز نہیں پایا جاتا۔ انہی اصولوں کی بنا پر یہ فرقہ برطانوی حکومت کے زمانہ میں۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں کامیابی کے ساتھ پھیلا۔ ان تمام خوبیوں اور کامیابیوں کے باوجود۔ جماعتِ احمدیہ کو مرزا غلام احمد کے دعوئے نبوت کو قرآنی دلیل میسر نہیں۔ محض تاویلات۔ اور مرزا غلام احمد کے مکاشفات۔ یا النبی ہونے کے اظہار میں ذاتی تاویلات سے ایک فرقہ (مذہب) اختراع کیا ہے۔ جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے وضع کردہ عقائد صریحاً خلافِ شریعت۔ صریحاً خلافِ اصولِ طریقت اور خلافِ شانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلافِ شانِ ازواج مطہراتؓ۔ خلافِ شانِ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت لغو انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ لغویات مرزا غلام احمد نے اپنی نبوت کے دلائل میں پیش کئے۔ جب کہ ایسے مکاشفات۔ محض خیال۔ استدراجی (شیطان کی توجہ کے نتیجہ میں) مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ ایسے مظاہر توہین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور توہین آل رسول اللہؐ کے مترادف گمراہی کے ضامن ہوتے ہیں۔ انہی مکاشفات کے بیان سے۔ جماعتِ احمدیہ اور خود مرزا غلام احمد قادیانی (کذاب نبی) لائق تعزیر ہو سکتے ہیں۔ جب کہ اس کے (ناسوتی) مکاشفات کسی موقع پر سچے ثابت نہ ہو سکے۔ اس لیے بھی کہ ضابطِ نبوت کے تحت ایک نبی کے پیروؤں میں۔ بیشتر لوگ۔ بحیثیت خلیفہ۔ صاحبِ معرفتِ اسرارِ الٰہی ہونا ضروری ہیں۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروؤں میں۔ کوئی ایسا خلیفہ۔ صاحبِ معرفت نہیں۔ نہ ان کے پیروؤں میں۔ ایک فرد بھی معرفت و مشاہدہ کا دعوےٰ کرنے والا۔ مدعی نبوت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ امر طے شدہ ہے۔ کہ مرزا غلام احمد کی جماعت احمدیہ۔ کا عقیدہ قطعاً باطل ہے۔ کہ مرزا غلام احمد کو النبی تسلیم کیا جائے۔

مرزا غلام احمد کی جماعت دو فریق میں تقسیم ہے۔ ایک فرقہ قادیانی دوسرا فرقہ لاہوری۔ ان میں عقیدۂ النبوت پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ قادیانی فرقہ کا عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد حقیقتاً النبی ہے۔ اس مفروضہ پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ کے تابعین۔ (امت) میں ایک عالمِ امت۔ اولیائے امت میں سے نبی ہو سکتا ہے۔ جس کے توسط سے الدین۔ شریعت۔ طریقت کا اجراء۔ ہر زمانہ میں قائم ہونا

چاہیئے۔ لیکن مرزا غلام احمد کے ذریعہ۔ ابتدائے دعوے سے لے کر زمانہ حال تک اس جماعت سے کوئی بھی عالمِ امت۔ ولی۔ ظاہر نہ ہوا۔ جس کے ذریعہ۔ دین الاسلام۔ یا اقتدارِ اعلیٰ۔ یا اجرائے قرآن وحدیث کی حامل جماعت پائی گئی ہو۔ جس جماعت کو قرآن وحدیث کے ضابطہ کے تحت تسلیم کیا جاسکتا ہو۔ اس کے مقابلہ جماعتِ احمدیہ کی لاہوری جماعت کا عقیدہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اصول شریعت کے تحت مرزا غلام احمد نبی نہیں ہوسکتا۔ ان کا عقیدہ حقیقتاً۔ حقیقتِ النبوت نہ سمجھنے کی بنا پر ہے۔ کہ یہ لوگ۔ النبی کے قرآنی بیان کے مطابق۔ نبی کی صفت سمجھ نہیں سکے۔ کہ قرآنی بیان کے مطابق "نبی"۔ اور ولی۔ میں صفت (مشاہدہ اسرارِ الٰہی) یکساں کیفیت ہے۔ چونکہ مرزا غلام احمد کو وہ مرتبہ نبوت۔ معرفت اسرارِ الٰہی حاصل نہیں۔ اس لئے وہ نبی نہیں ہوسکتے۔ البتہ ان کے علم میں نبی اور ولی میں۔ مرتبہ وعلم میں فرق ہے۔ اس لئے جیسا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں وقت کے ساتھ تجدیدِ دین کی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا ایسا خلیفہ۔ اپنی صفات وعلم کی حیثیت میں مجدد کہلا سکتا ہے۔ اس حال میں کہ ایک عالم بحیثیت ہادی قرآن وسنت کا اجرا کرنے والا ہوسکتا ہے۔ اور یہ غلط فہمی بھی اس لیے پائی جاتی ہے۔ کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِی کے فرمان کو غلط تصور کے ساتھ سمجھا جاتا ہے۔ یعنی انہیں ایک نبی کے النبی ہونے کی خصوصیت کا علم نہیں۔ کہ النبی کس خصوصیت وصفت پر سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ ایک نبی کو مقامِ رسالت پر نبی تصور کیا جاتا ہے۔ جیسا بیان ہوا۔ کہ علمائے امت عام تصور پر یہ غلط العام فقرہ دہراتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال بعد نبوت ملی"۔ یا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت پر"۔ جب کہ یہ مقام نبوت کا نہیں بلکہ رسالت کا ہے۔ اسی غلط العام تصور پر لاہوری جماعت کے مرزائی۔ غلام احمد کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ ایک عالمِ امت کا درجہ۔ النبی کے درجے کے برابر نہیں۔ اس لیے ایسا فرد مجدد ہوسکتا ہے "النبی" نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا لاہوری جماعت خود مرزا غلام احمد کی نبوت سے انکاری۔ اس کے دعوے کی نفی کرتی ہے۔

اس مقام پر جماعتِ احمدیہ سے علاوہ۔ دیگر جماعت اہل اسلام حنفی۔ اہل الحدیث وغیرہ میں بھی۔ ایک "النبی"۔ اور "ولی" میں فرقِ مراتب اور صفتِ نبوت پر نزاع ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لَا نَبِیَّ بَعْدِی کے فرمان کے مطابق کسی فرد کو النبی

نہیں کہا جاسکتا۔ یہ نزاع بھی۔ قرآنی بیان کے مطابق۔ النّبی کی صفت و خصوصیت پر علمی حیثیت میں صحیح غور و توجہ نہ دینے کے باعث ہے۔ کہ قرآن میں بار بار "النّبی" کا تصور پیش کیا گیا لیکن کسی مقام پر النّبی کی صفت و خصوصیّت (معرفتِ اسرارِ الٰہی) کا واضح بیان نہیں۔ سوائے اس کے کہ جیسا قرآن میں آیات اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا بیان پیش کر کے ایک النّبی کی صفت کا تصور مکمل پیش کیا گیا۔ اس کے مقابل بلفظ "ولی" سے ایک صاحبِ معرفت فرد کا تصور حاصل کیا گیا۔ جب کہ اس تصور میں کسی مقام پر صاحبِ معرفت (ولی) ہونے کا وضاحتاً بیان نہیں۔ جیسا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے بیان میں۔ اَنْبِئُوْنِیْ ـــ اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ سے ایک النّبی کا تصور واضح ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ "ولی" کی صفت میں۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ یا اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ کی صفت میں ایک مومن کی خصوصیّت "ولی" کے تصور میں پیش کی گئی ہے۔ لیکن اس تصور میں معرفتِ اسرارِ الٰہی کی خصوصیّت واضح نہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک مومن کی خصوصیت کے ساتھ ایک فرد کو اللہ کے قرب و دوستی کا اعزاز ملتا ہے۔ اسی اعزاز کے تصور پر ایک ولی۔ یا مومن بھی۔ معرفت الٰہی کا حامل ہوتا ہے۔ البتہ قرآنی آیات سے بھی۔ معرفتِ اسرارِ الٰہی کے حصول میں ایک ولی کی راہنمائی۔ کا تصور ملتا ہے۔ جیسے مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۸ آیت ۱۷)۔ یہ عمل۔ آپؐ کی امت میں۔ خلفاء النّبی کے ذریعہ۔ ہر زمانہ میں (معرفتِ اسرارِ الٰہی کی صورت میں) قیامت تک جاری رہے گا۔ جس عمل سے آپؐ کے قرآن کا عمل۔ معرفتِ اسرارِ الٰہی کا عمل۔ اور آپؐ کی حمد (محمد) پہچان (عرفانِ نبوت) قیامت (مقامِ محمود) تک باقی رہے گی۔ آپؐ کے بعد آپ کے خلفاء۔ بحیثیتِ خلیفہِ نبی بحیثیتِ النّبی۔ بحیثیتِ اولیائے کاملین۔ بحیثیتِ اولیائے امت آپؐ کا علم قرآن۔ علم معرفت جاری رکھیں گے۔ ہاں یہ اعلانِ الٰہی ہے! کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی فرد۔ بغیر خصوصیّتِ ولایت۔ بغیر خصوصیتِ نبوت۔ اجرائے قرآن۔ اجرائے نبوت۔ اجرائے ولایت کا دعوےٰ کرے۔ تو وہ شخص کذاب ہوگا۔ اس کا علم گمراہی اور فتنہ کا سبب ہوگا۔

تمّت بالخیر